اِس شمارے میں شامل مضامین، تنقیدی رائے یا شعری وفکری خیال سے اِدارے کا متفق ہونا ضروری نہیں

ادارے کی تیسویں پیش کش

سہ ماہی

کینیڈا

فروغِ مرثیہ

فروری ۲۰۲۴ء بمطابق رجب المرجب ۱۴۴۵ھ

ایڈیٹر

اصغر مہدی اشعر

جملہ حقوق بحقِ فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل محفوظ ہیں

عنوان	:	فروغِ مرثیہ (پندرھواں شمارہ)
اشاعت	:	فروری ۲۰۲۴ء
تعدادِ اشاعت	:	۵۰۰
ایڈیٹر	:	اصغر مہدی اشعر
ناشر	:	فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل، کینیڈا
طابع	:	RB پرنٹرز اینڈ پبلشرز، کراچی
قیمت فی شمارہ	:	۱۵ ر ڈالر، ۱۰ ر پونڈ
ای میل	:	faroghemarsiya@gmail.com
فون	:	+1-905-462-9211
پتہ	:	441 JELINIK TERRACE, MILTON ONTARIO, CANADA L9T7N2

فروغِ مرثیہ

سہ ماہی
کینیڈا

ترتیب

۱۔اداریہ ---------- اصغر مہدی اشعر (کینیڈا) ---------- ۴
۲۔بحضورِ مولا علیؑ ---------- اطہر حسنین (کینیڈا) ---------- ۶
۳۔سلام ---------- عشرت آفرین (امریکہ)، رخشندہ بتول (پاکستان) ---------- ۷
۴۔سلام ---------- اختر آصف زیدی (کینیڈا) ---------- ۸
۵۔سلام ---------- ڈاکٹر مظہر عباس رضوی (پاکستان) ---------- ۹
۶۔غیر مطبوعہ مرثیہ ---------- شدید لکھنوی (انڈیا) ---------- ۱۰
۷۔غیر مطبوعہ مرثیہ ---------- قیصر عباس قیصر (پاکستان) ---------- ۲۳
۸۔وسیم امروہوی کا مرثیہ استغاثہ ---------- پروفیسر محمد زمان آزردہ (انڈیا) ---------- ۲۴
۹۔غیر مطبوعہ مرثیہ محضرِ غم ---------- جرار چھولسی (انڈیا) ---------- ۲۹
۱۰۔رثائے عقلی ---------- عادل مختار (پاکستان) ---------- ۳۶
۱۱۔شاعر و سوز خواں اختر زیدی ---------- پروفیسر ضمیر حیدر (پاکستان) ---------- ۳۹
۱۲۔غیر مطبوعہ مرثیہ ''نطق'' ---------- علی عرفان (کینیڈا) ---------- ۴۶
۱۳۔ناطق لکھنوی کی مرثیہ نگاری ---------- پروفیسر سیّد علی عرفان نقوی (انڈیا) ---------- ۵۱
۱۴۔غیر مطبوعہ مرثیہ ---------- تسنیم عابدی (امریکہ) ---------- ۵۷
۱۵۔بانو سید پوری، کربلا کی تفہیم کی نسائی آواز ---------- ڈاکٹر عابد حسین حیدری (انڈیا) ---------- ۶۰
۱۶۔آبروئے شیرازِ ہند، مضطر جونپوری ---------- ڈاکٹر کاظم مہدی (انڈیا) ---------- ۷۸
۱۷۔ایڈیٹر کے نام خط ---------- سعدیہ صدف (انڈیا) ---------- ۸۰

اداریہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فروغِ مرثیہ کا پندرھواں شمارہ آپ کے پیشِ نظر ہے۔ یہ اس شمارے کی باقاعدگی کے ساتھ اشاعت کا چوتھا سال ہے۔ پاکستان، ہندوستان، امریکہ، کینیڈا، جرمنی، دبئی اور دیگر ممالک میں جس فراخدلی کے ساتھ فروغِ مرثیہ کی پذیرائی کی جارہی ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ رثائی ادب کے پڑھنے والے اور اسے چاہنے والے آج بھی موجود ہیں اور اب یہ محبت پاکستان اور ہندوستان سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل چکی ہے۔ کراچی اور اِلہ آباد سے شائع ہونے والا یہ شمارہ فروغِ مرثیہ میں اپنا کردار ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ان تمام ادیبوں، تنقید نگاروں، محققین اور شعرا کے کلام سامنے لا رہا ہے جو خاطر خواہ پذیرائی نہ ہونے کے سبب اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار نہیں لا رہے تھے، کچھ نے ہاتھ سے قلم رکھ دیا تھا اور کچھ سوشل میڈیا کے ذریعے اپنے احساسات کو عوام الناس تک پہنچا رہے تھے۔ پچھلے چار سالوں میں اس شمارے کی متواتر اشاعت نے سنجیدہ ذہنوں اور اکابرین کے دل کو تقویت بخشی ہے کہ ''ڈاکٹر ہلالؔ نقوی'' کے رثائی ادب سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ اب جاری وساری رہے گا اور کیوں نہ رہے کہ یہ شمارہ ڈاکٹر ہلالؔ نقوی کی سرپرستی اور ناچیز کے لیے ان کے مفید مشوروں کی بدولت ترقی کا سفر طے کر رہا ہے، خدا سے دعا ہے کہ یہ سلسلہ یوں ہی جاری وساری رہے۔

۲۰۲۴ء کی شروعات ہے، ماہِ رجب کی آمد آمد ہے، جب بھی ماہِ رجب آتا ہے محرم کی تیاری شروع ہوجاتی ہے، جس میں مرثیوں کا منتخب کرنا، ان کی تیاری، ان کی ریکارڈنگ اور اس کے علاوہ ٹی وی پر مرثیے سے متعلق پروگراموں کی ریکارڈنگ مصروف رکھتی ہے، یہ کہوں تو بجا ہے کہ سال بھر اس دل میں مرثیے کی نسبت کچھ نہ کچھ کرنے کی تڑپ رہتی ہے اور اس کا نتیجہ ان منصوبوں کی تکمیل کی صورت میں نکلتا ہے جن کی تفصیل سال کے شروع میں اس شمارے کے اداریے کی صورت آپ تک پہچانا ضروری ہے۔

۲۰۲۴ء دبیرؔ کے مرثیے کی جلد چہارم، پنجم اور ششم کی تکمیل کا سال ہے، ان شاء اللہ جنوری میں جلد چہارم دستیاب ہوگی، فرہنگ مونسؔ کا لکھنا مکمل ہوچکا ہے اور ان شاء اللہ یہ سال فرہنگِ مونسؔ کا بھی سال ہوگا، فروغِ مرثیہ کے چار شمارے بشرطِ زندگی آپ تک پہنچیں گے اس کے علاوہ کلیات صغیرؔ سونوی، سرمایۂ ابرؔ جون پوری اور ایک دو مزید کتابیں جن پر کام جاری ہے، اس سال مکمل کرنے کا ارادہ ہے۔ فرہنگِ مرثیہ، اشاریۂ دبیرؔ پر بھی کام جاری رہے گا اور یہ کوشش ہوگی کہ یہ منصوبے بغیر کسی تاخیر کے آپ تک پہنچ پائیں۔ ای مرثیہ پر اس سال مزید ۳۰ شعرا کا اضافہ کرنے کا ارادہ ہے اور کوشش ہے کہ چار ہزار پانچ سو مرثیوں کا ہدف اس سال مکمل کیا جاسکے۔

یہ تمام محنت، جدوجہد فروغِ مرثیہ کے لیے کہ اس زندگی میں اپنے حصے کا کام کر جاؤں اور خصوصی شکریہ ڈاکٹر ہلالؔ نقوی، جناب جاوید

حسن، ڈاکٹر عقیل عباس جعفری، جناب عابد جعفری اور جناب ضامن جعفری کا جن کی شفقت، رہنمائی اور مسلسل مشوروں کی بدولت سلسلۂ فروغِ مرثیہ جاری وساری ہے۔

پندرھویں شمارے میں دو انتہائی نایاب مرثیے آپ کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں، گو کہ اس شمارے میں ۵ غیر مطبوعہ مرثیے شامل ہیں لیکن شدید لکھنوی مرحوم کا غیر مطبوعہ مرثیہ ''صاحبِ خیر سوئے لشکرِ شر جاتا ہے'' اور جناب جرار چھولسی کا غیر مطبوعہ مرثیہ محضرِ غم جو انھوں نے گوڑ گاؤں کے اسپتال میں بیماری کے عالم میں تحریر کیا۔ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان مرثیوں کی فراہمی کے لیے خانوادۂ جرار چھولسی اور ہمارے اپنے گوہر لکھنوی صاحب کے لیے ہزاروں دعائیں۔ اس شمارے میں آپ کے لیے اس اداریے کے علاوہ ۶ سلام، ۵ مرثیے، ۶ مضامین اور ایک تبصرہ شامل کیا گیا ہے۔ اپنی آرا سے ضرور آگاہ کیجیے گا اور دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا۔

طالبِ دعا

اصغر مہدی اشعر

۱۳ر جنوری، ۲۰۲۴ء

ملٹن، کینیڈا

بحضورِ مولا علی

اطہر حسنینؔ

ہم تو جہاں ہوں یا علیؑ بس تیری آرزو کریں
تجھ سے گریز پا نہ ہوں تیری ہی جستجو کریں

ہم ہی فرازِ دار پر محوِ ثنائے دوست ہوں
ہم ہی دیارِ شام میں صبح کی گفتگو کریں

لطف نمازِ شوق کا آپ کو بھی نصیب ہو
شیخ مئے غدیر سے آپ کبھی وضو کریں

دب نہ سکے گا حشر تک ذکرِ ولایتِ علیؑ
لاکھ یہ بانیانِ شر شورشِ ھا د ھو کریں

کعبۂ رب سے کعبۂ دل میں اُتر گئے علیؑ
جشن ہو شہر شہر میں ذکر یہ کو بہ کو کریں

صبح تو ناگزیر ہے صبح تو آ ہی جائے گی
کچھ تیری بات رات بھر کچھ تیری گفتگو کریں

حسنِ عمل سے وہ نئے ذہن تراشیے کہ لوگ
وقت کے خازار میں کاوشِ رنگ و بُو کریں

نامہ سیاہ ہیں مگر ربِّ رحیم روزِ حشر
کیوں نہ بیاضِ منقبت ہم تیرے رو برو کریں

اطہرِؔ کم سخن اگر تیرے لیے سخن کہے
شہر کے خوش بیاں سبھی ذکر یہ کو بہ کو کریں

سلام

عشرت آفریںؔ

یہ کشتۂ راہِ حق بھی کیا ہیں — تاریخ کا زندہ معجزہ ہیں
جلتے ہوئے دور تک دیئے سے — یہ دشت میں کیسے اے ہوا ہیں
یہ کیسی کمال روشنی ہے — نیزوں پہ چراغ جا بہ جا ہیں
کچھ پھول لہو سے کھل رہے ہیں — صحرا میں یہ کس کے نقشِ پا ہیں
یہ ریگِ رواں میں سرخ غنچے — اصغرؑ یہ تمہارا خوں بہا ہیں
نوحے ہیں یہ پھول سی ہنسی کے — اور زخمِ گلو کا مرثیہ ہیں
یہ سوزِ دروں کے سب خزانے — مولا ترے درد کی عطا ہیں

سلامِ نَو

رخشندہ بتول

اُبھرا ہے آفتابِ رموزِ من الحسینؑ — کھولا گیا ہے بابِ رموزِ من الحسینؑ
مقراضِ لا سے کاٹ دیا نخوت و غرور — ہٹنے لگے ، حجابِ رموزِ من الحسینؑ
تعظیم ہے حسینؑ کی تعظیمِ مصطفیٰؐ — سمجھے کوئی نصابِ رموزِ من الحسینؑ
اس واسطے چراغ کو گل کر دیا گیا — روشن ہے ماہتابِ رموزِ من الحسینؑ
یہ کربلا ہے جو کہ سکھاتی رہی ہمیں — اندازِ انقلابِ رموزِ من الحسینؑ
فکرِ بلند ، مدحتِ شبیرؑ کے لیے — ہوتی ہے ہم رکابِ رموزِ من الحسینؑ
زنجیرِ پا لہو سے اسے سینچتی رہی — چپ بن گئی خطابِ رموزِ من الحسینؑ
کرب و بلا کی ریت پہ کھلنے لگے گلاب — بکھرا ہے انتخابِ رموزِ من الحسینؑ
برچھی نکالنا ہو کہ اصغرؑ کو گاڑنا — پُرسوز ہے کتابِ رموزِ من الحسینؑ
آنسو کی ایک نام سے نسبت عجیب ہے — رخشندگی بہ آبِ رموزِ من الحسینؑ

سلام

اختر آصفؔ زیدی

جہاں سے ہم کو رموزِ جہاں بتائے گئے اُسی جگہ ادب آداب غم سکھائے گئے
کسی دعائے لب اعجاز سے بلائے گئے تو کیا کسی کے ہٹائے سے ہم ہٹائے گئے
اگر چہ راہ میں ہم بھی بہت ستائے گئے مگر جو ٹھان چکے تھے قدم بڑھائے گئے
وہ ایک بار صدا دے کے ہو گیا خاموش ہم اُس کی ایک صدا کو سدا بنائے گئے
کسی نے خون کو معیارِ حق بتایا تھا ہم اپنے خون میں سر تا قدم نہائے گئے
ہمیں کہا گیا! آئے ۔ تو موت آئے گی ہمیں یقین بھی تھا اس پہ پھر بھی آئے گئے
بڑی خوشی سے تمنا سے غم لیا ہم نے تو اپنے گھر کی خوشی میں بھی غم منائے گئے
وہاں تک ہم نے عزیز از نگاہ غم کو رکھا جہاں تک اپنی خوشی سے خوشی کے سائے گئے
جہاں پہ حکم ملا تھا نگاہ نیچی رہے ہم اُس مقام پہ پہنچے تو سر جھکائے گئے
عجیب لوگ ہیں خود کو رفیق کہتے ہیں کہیں اُٹھائے گئے ہیں کہیں بٹھائے گئے
ہم اپنے آپ کو اُن میں شمار کیوں کرتے جو رزم گاہ میں ٹھہرے نہیں تھے ! آئے۔ گئے
کبھی کبھی تو چلو غیر سے نبرد رہی کبھی تو اپنے ہی لوگوں میں آزمائے گئے
کبھی جو اُن کے حوالوں میں اپنا نام آیا ہم اپنی ذات کے کشکول میں سمائے گئے
زمیں سے ایسی ہی نسبت رہی ہمیں آصفؔ وجود اپنا زمیں میں کہیں چھپائے گئے

سلام

ڈاکٹر مظہرؔ عباس رضوی

با وفا نے کر کے قبضہ بے کسی کے باوجود
منھ نہ پانی کو لگایا تشنگی کے باوجود

فاتحِ خیبر کا بیٹا فاتحِ نہرِ فرات
اور وہ بھی پیاس اور فاقہ کشی کے باوجود

اک علیؑ ہے دوسرا ابنِ علیؑ ہے دیکھنا
روشنی در روشنی ہے تیرگی کے باوجود

ایک یہ ہیں جان کر بھی مانتے ان کو نہیں
ایک وہ تھے مانتے تھے دشمنی کے باوجود

ہاتھ میں ان کے ہے سب کچھ ہاتھ گو باقی نہیں
ہیں یہی باب الحوائج اس کمی کے باوجود

عمر اپنی تج دی ساری ہی غلاموں کی طرح
بھائی لیکن کہہ نہ پائے جاں کنی کے باوجود

چلتی پھرتی لاش ہے سوزِ حسینؑ کے بنا
زندگی ہوتی نہیں ہے زندگی کے باوجود

ایستادہ ہے علم گھر گھر پہ آج عباسؑ کا
مجلسیں قائم ہیں سب دہشت گری کے باوجود

سیر ہوتا ہی نہیں مظہرؔ مرا دل بھی کبھی
ذکرِ اہلِ بیتؑ اور نوحہ گری کے باوجود

❋❋❋❋

مرثیہ

شدیدؔ لکھنوی

تعدادِ بند۔۔۔۔۹۱

صاحبِ خیر سُوئے لشکرِ شر جاتا ہے ڈوبنے شام کی بدلی میں قمر جاتا ہے
پہلے آیا تھا جدھر سے اب اُدھر جاتا ہے (۱) پسرِ سعد کی لینے کو خبر جاتا ہے
روتا ہے تشنگیٔ شہؑ کا ملال ایسا ہے
صبح کر دے گا دمِ جنگ جلال ایسا ہے

آمدِ ضیغمِ برہم سپہ شام میں ہے مطلعِ جاں گزیں خوف دلِ شمرِ بد انجام میں ہے
ڈر سے لرزہ پسرِ سعد کے اندام میں ہے (۲) قلبِ پُر مکرِ شقی منزلِ اوہام میں ہے
سر جھکائے ہوئے منھ آنسوؤں سے دھوتا ہے
دل سے کہتا ہے کہ اب دیکھیے کیا ہوتا ہے

کہتا ہے قبلِ وغا حرؑ نے جو کی کچھ تقریر ہے فصاحب میں یہاں اس کا مثل اور نہ نظیر
سب کو دکھلائے گا یوں کھینچ کے حق کی تصویر (۳) صاف ہوجائے گا ثابت کہ ہیں حق پر شبیرؑ
حرؑ سے فنکار کا یہ وار جو چل جائے گا
دفعتاً جنگ کا نقشہ ہی بدل جائے گا

دم بدم شمر سے کہتا ہے وہ مردود شقی دیکھ آپہنچی ہے اب سر پہ قیامت کی گھڑی
غیظ میں جا کے ادھر آرہا ہے حرِّ جری (۴) ذر سے حالت متغیر ہوئی ہے لشکر کی
بے حیا خوف سے غازی کے مرے جاتے ہیں
اتنی کثرت پہ بھی نامرد ڈرے جاتے ہیں

حشر سے درہم و برہم ہوئی ہے ایک اک صف ناوکِ خوف سے ہر ایک کا سینہ ہے ہدف
کیا عجب سیکڑوں کی بے لڑے جانیں ہوں تلف (۵) اب توجہ تجھے خود چاہیے لشکر کی طرف
عزم بھی دل کی طرح سب کے بدل جائیں گے
آ گیا حرؑ تو یہ قابو سے نکل جائیں گے

پہلواں جن کو تھا دعویٰ کہ تہمتن ہیں ہم ان کے سر جھک گئے ہیں ڈر سے لرزتے ہیں قدم
جنگ جو تھے جو سپاہی یہ ہے ان کا عالم (۶) ایک کو بھی تو نظر آتا نہیں اب زیرِ علم
ایک عالم میں ہیں سب پیر و جوان کانپتے ہیں
مورچے ٹوٹے ہیں لشکر کے نشان کانپتے ہیں

شمر نے دکھتی ہوئی رگ کو پکڑ کے یہ کہا　　اُن کا کیا ذکر ترے آپ نہیں ہوش بجا
چاک تو ہو ہی چکا مکر و دغا کا پردا　(۷)　سوئے شبیرؑ قیامت ہوا حرؑ کا جانا
خوفِ دوزخ سے ہر اک فوج میں تھراتا ہے
اب تو حق مثلِ سحر صاف نظر آتا ہے

کچھ بنائے نہ بنے گی جو رجز خواں ہوا حرؑ　　حق کی تبلیغ پہ مائل سر میداں ہوا حرؑ
رنج سے پیاسوں کے احوال پہ گریاں ہوا حرؑ　(۸)　فوج سے شاہؑ کی امداد کا خواہاں ہوا حرؑ
سب پہ مظلومیِ شبیرؑ ہویدا ہوگی
منقلب دیکھنا تُو ظلم کی دنیا ہوگی

مجھ کو دی ہے ابھی جاسوسوں نے آ کے یہ خبر　　سارے لشکر پہ ہے مظلومیِ سرورؑ کا اثر
پہلوانوں کی بھی بدلی نظر آتی ہے نظر　(۹)　تیر اندازوں کے کہتے ہیں یہ بگڑے تیور
سبطِ احمدؐ پہ جفا کی ہے خطا کار ہیں ہم
حرِؑ غازی کی قسم دین کے غدار ہیں ہم

گفتگوئیں ہیں یہ سرداروں میں ہر سو باہم　　حرِؑ غازی نے بڑا کام کیا حق کی قسم
نوکری چھوڑ دی ٹھکرا دیا سب جاہ و حشم　(۱۰)　ایسے دیندار زمانے میں بہت ہوتے ہیں کم
جان دینے پہ تلا ہے شہؑ والا کے لیے
عیشِ دنیا سے نظر پھیر لی عقبیٰ کے لیے

پسرِ سعد پہ طرفہ ہوا عالم طاری　　بات چبھتی ہوئی تھی دل میں بنی چنگاری
دیکھ کے مصلحتِ وقت یہ بولا ناری　(۱۱)　خاک میں ملتے نظر آتی ہے محنت ساری
سامنا آج بڑی سخت قیامت کا ہے
شمر بولا کہ یہ ہنگام سیاست کا ہے

لالچی حرؑ سے زیادہ ہیں یہ لشکر کے جواں　　صدقے کرتے ہیں زر و مال پہ دین و ایماں
جاکے دکھلا انھیں دنیا ہی میں جنت کا سماں　(۱۲)　کاٹ دے وعدۂ جاگیر کے خنجر سے زباں
دل میں اسلام کا پھر نام نہ آنے دیں گے
گر امامؑ آئیں پیمبرؐ بھی تو یہ لڑ لیں گے

گفتگو ہے یہ ادھر اور ادھر حرؑ دلیر　　غیظ میں آرہا ہے چیں بہ جبیں زیست سے سیر
ولولے کہتے ہیں اب جنگ و جدل میں نہ ہو دیر　(۱۳)　دل کا ہے قصد لگا دیجیے لاشوں کے ڈھیر
دم بدم غم کے کھٹکتے ہیں جو پیکاں نکلیں
روحیں غداروں کی بن کے مرے ارماں نکلیں

آمدِ حرؑ سے نہ کیوں کر ہو قیامت کا سماں   شوقِ جنت نے اسے کردیا پیری میں جواں
شاملِ حال ہوا ہے کرمِ شاہِؑ زماں (۱۴) صاف چہرے سے نمایاں ہے وقارِ ایماں
کیوں نہ مرعوب نظر آئیں زمانہ والے
اب تو تیور ہیں محمدؐ کے گھرانے والے

نصرتِ حق کا نمایاں ہے یہ ادنٰی اعجاز   اب تو پریوں کی طرح کرتا ہے گھوڑا پرواز
زیورِ حور سے خوش تر نظر آتا ہے ساز (۱۵) سربسر یال ہیں گیسوئے حسیں کا انداز
انکھڑیاں وہ کہ خجل چشمِ غزالاں ہو جائیں
خالِ رخ دیکھیں تو ہندو بھی مسلماں ہو جائیں

تیز رفتاریوں کا جب کیا اس نے آغاز   طیر حیراں ہوئے اس درجہ کہ بھولے پرواز
گر گئی ایسی ہوا کی ہے طبیعت ناساز (۱۶) بن گئی صورِ سرافیل قدم کی آواز
منقلب زندگی و موت کے عنوان ہوئے
جیتے جی ڈر سے شقی جتنے تھے بے جان ہوئے

اک تلاطم سا زمانے میں ہے برپا ہر سو   خوف سے شیروں کے بیشوں میں چھپے ہیں آہو
آج بدلی نظر آتی ہے درندوں کی بھی خو (۱۷) دردِ سر بن گیا ہے ہیبتِ حرؑ کا جادو
جا اماں کی جو کہیں اور نہیں پاتے ہیں
پیچھے جنگل کے شغالوں کے چھپے جاتے ہیں

خبر آمد کی جو ٹاپوں کی صدا لاتی ہے   زندگی موت کے پیکر میں نظر آتی ہے
خوف کی آگ سے اب دھوپ جلی جاتی ہے (۱۸) ہر کرن مہر کی بے تاب ہے تھراتی ہے
کرب ہے سائے کو بھی ایسا کہ تھراتا ہے
رقصِ بسمل کا تماشا سا نظر آتا ہے

خوف کی آگ زمانے میں جو پھیلی ہر سو   ہو گیا خشک بنا بحر بھی قطرہ آنسو
کسی چشمے میں بھی پانی نہ رہا بہرِ وضو (۱۹) کرۂ نار گھٹا ڈر سے بنا اک جگنو
اپنے خالق کو نہ اس حال میں بھولے اُٹھے
دم بدم دستِ اماں بن کے بگولے اُٹھے

ہے بہت غیظ و غضب حرؑ کو ہیں ابرو پر بل   میں اشاروں کی ہوں پابند یہ کہتی ہے اجل
شجرِ زیست میں آنے لگے ہیں موت کے پھل (۲۰) چشمِ حرؑ بن گئی ہے دیوِ اجل کا چنگل
خوف سے بھاگے ہیں سب چھوڑ کے راہیں حرؑ کی
ملک الموت ہیں گویا کہ نگاہیں حرؑ کی

آج قائم ہوئی ہے تیز روی کی وہ مثال   جس کے آگے کسی ممکن کا پہنچنا ہے محال
مہر و مہہ سکتے میں ہیں دیکھ کے رہوار کی چال (۲۱) اس کی دنیا میں ہیں دن لمحہ تو ہیں ساعتیں سال
نظرِ تیز بنا مثلِ تصور آیا
دفعتاً شور ہوا چار طرف حرؑ آیا

روحیں جسموں سے چلیں شیر کا رہوار رکا   ڈر سے دم بھر کے لیے چرخِ ستم گار رکا
زلزلہ آیا زمین کانپی جو یکبار رکا (۲۲) ملک الموت بنا یوں وہ وفادار رکا
سپہِ شام مکدّر ہوئی گھبرانے لگی
زندگی موت کے قبضے میں نظر آنے لگی

چھائے تھے خوف کے بادلوں تو عجب عالم تھا   تھیں صفیں صورت دیوار ہوا تھا سکتا
چپ تھے شامی کہ دہن میں نہ زبان تھی گویا (۲۳) حرؑ نے اک تند نظر ڈالی رجز پڑھنے لگا
لشکرِ شر کے حواس آئے ہوئے جانے لگے
جو جواں مرد بڑے تھے وہی تھرانے لگے

باوفا اپنے رسالے پہ جمائے تھا نظر   کہہ رہا تھا ہوئی اللہ کی رحمت مجھ پر
جاکے جو رکھّا تھا میں نے قدمِ شاہؑ پہ سر (۲۴) دیکھو ادنا سا یہ اس کا نظر آتا ہے اثر
شک نہیں صاحبِ اعجاز ہے آقا میرا
ڈھل گیا نور کے سانچے میں سراپا میرا

اب مرے سر میں نہیں دولتِ دنیا کا خمار   آنکھوں سے دیکھ لی فردوسِ معلّیٰ کی بہار
بخدا جس کو میسّر ہو حسینیؑ سرکار (۲۵) پھر نہ رکھّے وہ شہنشاہوں سے کوئی سروکار
یہ اثر الفتِ شبیرؑ سے پیدا ہوجائے
خاک کے ذرّے کو چھولے تو وہ سونا ہوجائے

ہاتھ چومے تھے جو شبیرؑ کے میں نے بہ خشوع   جوشِ خوں ہونے لگا تھا مری رگ رگ میں شروع
یہ اثر اس کا ہے دل حق کی طرف ہے جو رجوع (۲۶) قلبِ مضطر میں کیا مہرِ شجاعت نے طلوع
فرطِ جرات سے لہو میں یہ روانی آئی
رخ کی سرخی نے کہا بڑھ کے جوانی آئی

آنکھیں قدموں سے لگائیں جو بصد عجز و نیاز   منکشف ہونے لگے قدرتِ معبود کے راز
یہ بڑھا نورِ نظر خلد کے در دیکھ کے باز (۲۷) کانوں میں اہلِ جہنم کی یہ آئی آواز
دشمنِ آلِ نبیؐ کیوں ہوئے غم کھاتے ہیں
روز و شب آتشِ دوزخ سے جلے جاتے ہیں

بھائیو دل میں ذرا سوچو تو کیا ہیں شبیرؑ جانِ احمدؐ کی ہیں محبوبِ خدا ہیں شبیرؑ
صبر میں فرد ہیں راضی بہ رضا ہیں شبیرؑ یہ بھی ہے راز جو محبوسِ بلا ہیں شبیرؑ (۲۸)
اذن خلّاقِ دو عالم سے جو مل جائے ابھی
ہر طرف حشر کا سامان نظر آئے ابھی

بعد اللہ کے نورِ ازلی ہے شبیرؑ پوچھو قرآن سے خالق کا ولی ہے شبیرؑ
شانِ احمدؐ کی ہے جس میں وہ علیؑ ہے شبیرؑ حق کی من جملۂ آیاتِ جلی ہے شبیرؑ (۲۹)
نخلِ عالم کا بنا تخم عجب پھل ہے حسینؑ
بخدا مثلِ نبیؐ خلقتِ اوّل ہے حسینؑ

دینِ اسلام کی دنیا کا اجالا ہے حسینؑ حق مہہ چاردہ ہے حسن میں ، ہالہ ہے حسینؑ
امتِ جد کا بڑا چاہنے والا ہے حسینؑ گود کا احمدؐ مختار کی پالا ہے حسینؑ (۳۰)
آج منظور یہ ہے وعدہ وفائی ہوجائے
ورنہ یہ چاہے تو برباد خدائی ہوجائے

اپنے خالق کی رضا پا کے یہ قدرت جو دکھائے اک اشارے میں فنا شام کا لشکر ہوجائے
متحرک ہوئے زمیں عرشِ معلّیٰ تھرائے بل اگر ابروں پر غیظ و غضب میں کبھی آئے (۳۱)
جز عدم زیست کا پھر کوئی ٹھکانا نہ رہے
ہو مہہ و مہر میں ٹکراؤ زمانہ نہ رہے

اذنِ معبود سے گو صاحبِ قدرت ہے حسینؑ پر محمدؐ کی طرح اہلِ مروّت ہے حسینؑ
ساتھ قرآں کے نگہبانِ شریعت ہے حسینؑ مختصر یہ ہے کہ اک رازِ حقیقت ہے حسینؑ (۳۲)
راستہ صاف کیے دیتا ہے جنت کے لیے
ظلم پر صبر ہے ایمان کی حفاظت کے لیے

راہِ معبود میں اک شمعِ فروزاں ہے حسینؑ گُلِ ایماں ہے کہ جانِ شہِؑ مرداں ہے حسینؑ
ایک قران ہے اور دوسرا قرآں ہے حسینؑ کفر ہے توڑنا جس کا وہی پیاں ہے حسینؑ (۳۳)
چولی دامن کی طرح تابہ جناں ساتھ ہے یہ
جس میں فردوس کی کنجی ہے وہی ہاتھ ہے یہ

فیض اسی شاہؑ کا ہے اس کے ارادے کی قسم کہ جمائے ہوں میں لاکھوں کے مقابل میں قدم
نظر آئے گا تمھیں منزلِ ہستی میں عدم یاد رکھنا جو ہوئی میری طبیعت برہم (۳۴)
بس کہ ہیں دل سے زر و مال چہیتے تم کو
نہ تو مرتے ہی بنے گی نہ تو جیتے تم کو

قدر دان جس کے علیؑ ہیں وہ بہادر ہوں میں توبہ مقبول ہوئی بیش بہادُر ہوں میں
نعرہ زن جوش میں اب یوں بہ تفاخر ہوں میں (۳۵) پہلے بس نام کو حرؑ نام تھا اب حرؑ ہوں میں
تمغہ آقا سے غلامی کا ملا شاد ہوا
صدقے میں پنجتنِؑ پاک کے آزاد ہوا

حرؑ نہیں اب تو مرا نام ہے شیدائے حسینؑ دل قوی کررہا ہے زورِ تولاّئے حسینؑ
میرے سر آنکھوں پہ ہے خاکِ کفِ پائے حسینؑ (۳۶) گر نہ ہو پیشِ نظر مقصدِ اعلائے حسینؑ
دستیاب اب تو وہ قوّت ہے جو حملہ کردوں
سب صفیں صاف ہوں لشکر کا صفایا کردوں

عشقِ شبیرؑ نے قوّت وہ مجھے کی ہے عطا تن تنہا کروں میدان میں لاکھوں سے وفا
کوہ کو کاہ کروں زور دکھاؤں جو ذرا (۳۷) میرے اک نعرۂ شیرانہ سے محشر ہو بپا
یوں ہو برباد ستمگاروں کی بستی نہ رہے
قدرتِ حق سے ہوں یوں نیست کہ ہستی نہ رہے

سامنے کوئی اگر کر کے بڑا دل آئے بے حیا خاک میں مل جائے وہ منزل آئے
رقصِ بسمل کی نظر دشت میں محفل آئے (۳۸) چیر دوں شیر کے کلّے جو مقابل آئے
روئے پر رعب مرا دیکھتے ہی دم نکلے
گر پئے جنگ کفن پہاڑ کے رستم نکلے

حکم اگر سیّدِ کونین یہ مجھ کو دے دیں اہلِ شر ختم ہوں اس طرح کہ باقی نہ رہیں
یوں بڑھوں فوج کی کرتا ہوا برباد صفیں (۳۹) تو سہی میں ، درِ کوفہ کی ہلا دوں چولیں
در تو در قلعۂ افواجِ لعین ہل جائے
یا علیؑ کہہ کے اکھاڑوں تو زمین ہل جائے

پسرِ سعد کو دے دے کوئی میرا یہ پیام جو مجھے روکتا تھا ہے یہ وہی لشکرِ شام
دیکھ اب خوف سے کیا حال ہے ہے زیست حرام (۴۰) کبر و نخوت کا یہی ہوتا ہے آخر انجام
فکر سے بھاگنے کی جنگ کا ارمان نہیں
گو کہ لاکھوں ہیں مگر ایک میں بھی جان نہیں

سارے دعووں کو ترے اہلِ ہوس دیکھ لیا پہلوانوں کا بھی چلتا نہیں بس دیکھ لیا
تجھ کو بھی اور ترے لشکر کو بھی بس دیکھ لیا (۴۱) تو ہے اب خیمے میں مانندِ قفس دیکھ لیا
مضطرب دل کسی صورت سے بہلتا ہی نہیں
خوف غالب ہے تو خیمے سے نکلتا ہی نہیں

کہہ کے یہ جوش میں جھوما حرؑ عالی مقدار دی صدا مرنے پہ سب اہلِ ستم ہوں تیار
لے چکا نام علیؑ کرتا ہوں اب پیہم دار (۴۲) ترچھی نظروں سے یہ کہتے ہوئے کھینچی تلوار
جنگ منظور نہیں راہ مگر لینا ہے
پسرِ سعدِ ستم گر کی خبر لینا ہے

حرؑ یہ کہتا تھا جو نکلا پسرِ سعدِ شریر تیر اندازوں سے کہنے لگا وہ پر تزویر
لینا ہے خلعت و انعام جو بننا ہے امیر (۴۳) زہ کمانیں کرو برساؤ وفادار پہ تیر
شاق ہے میرے دلِ زار پہ جینا حرؑ کا
کر دو چھلنی کسی تدبیر سے سینہ حرؑ کا

سپریں اپنی زر و مال سے بھرنا ہیں اگر پہلواں جنگ پہ آمادہ ہوں کس کس کے کمر
سر اٹھایا جو مرے حکم سے کٹ جائیں گے سر (۴۴) سن کے یہ ایک جوان نے کہا آگے بڑھ کر
گو کہ تیری ہی طرح خوف سے تھراتا ہوں
مال پر جان کو قربان کیے آتا ہوں

کہہ کے یہ پی کے مئے ناب کے ساغر دو چار نشے میں جھوم کے ظالم ہوا گھوڑے پہ سوار
ایسا گھبرایا ہوا تھا نہ لگائے ہتھیار (۴۵) خیر گزری کہ کمر میں تھی شقی کے تلوار
سرخ آنکھیں جو ہوئیں دل میں تکبّر آیا
ہو کے بدمست وہ مے کش طرفِ حرؑ آیا

آکے اک تیر کے پلّے پہ رکا اہلِ زیاں اب جو دیکھا تو نظر آئی نہ شانے پہ کماں
جھک کے دیکھا کیا تا دیر پہ ترکش تھا کہاں (۴۶) ناوکِ غم جو پڑا سینے پہ گھبرا گئی جاں
ہر طرف تکنے لگا خوف سے لرزاں ہوکر
سر بہ زانو ہوا آخر کو پشیماں ہوکر

اب جو دیکھا تو ہے نیزہ نہ تبر اور خنجر ہل گیا ڈر سے جگر گرز جب آیا نہ نظر
نہ ملی ڈھونڈنے سے بھی جو کمند اور سپر (۴۷) ہوگیا نشۂ ہرن ہوش میں آیا خود سر
بے حیا بادہ پرستی کی سزا پانے لگا
موت نظروں میں پھری خوف سے تھرانے لگا

بھاگ جانے کا ارادہ ہی ابھی دل میں تھا کہ قریب آگیا حرؑ تیز اڑا کے گھوڑا
پڑ گیا تیرِ نظر دل پہ شقی سہم گیا (۴۸) مسکرا کے یہ حرِؑ غازی و صفدر نے کہا
ہوگیا ہوش کی دنیا میں اندھیرا دیکھا
بے حیا بادہ پرستی کا نتیجہ دیکھا

خوش ہوا ڈاب میں موجود جو دیکھی تلوار فطرتاً شرم سے بزدل کا جھکا سر یک بار
جیسے آنے لگے ہنگامِ خزاں فصلِ بہار ہوگئے ہوش بجا آنے لگا دل کو قرار (۴۹)
ہنس دیا جھوٹی ہنسی صرف دکھانے کے لئے
حربہ ہاتھ آ جو گیا جان بچانے کے لئے

زندگی کہتی تھی میدان سے لازم ہے فرار ہوتی تھی زندگی و موت میں پیہم تکرار
تھا شش و پنج نہیں تھا کسی پہلو جو قرار پاؤں پکڑے ہوئے تھی موت جو تھی سر پہ سوار (۵۰)
بے طرح زندگی و موت میں جو چھنتی تھی
کچھ کسی طرح بنائے نہ اسے بنتی تھی

او شقی تیغ پکڑ ، جنگ میں اب دیر ہے کیا ناگہاں حرِّ دلاور نے ڈپٹ کے یہ کہا
تیغ کو میان سے گھبرا کے جو اس نے کھینچا یہ صدا سنتے ہی دل کانپ گیا چونک پڑا (۵۱)
آپ اپنے ہی پہ شرما کے وہ کیا کیا بگڑا
ایسا چرکا لگا مردود کا چہرہ بگڑا

بلبلا جاتا تھا جاتے تھے جو حرِّ بے کار آگیا جوش لہو دیکھ کے کرنے لگا وار
میں بھی اب ضرب لگاتا ہوں سنبھل او غدار دی صدا حرِّ دلاور نے ستمگر ہشیار (۵۲)
مستحق سخت سزاؤں کا جو میں پاتا ہوں
جلد اب راہِ جہنم تجھے دکھلاتا ہوں

حرِّ غازی نے کیا نعرۂ تکبیر بلند کہہ کے یہ وار کیا اڑ گیا سر مثلِ سپند
تو بھی جا جلد جہنم میں کہ رستہ نہیں بند دی صدا او پسرِ سعدِ شقی ظلم پسند (۵۳)
منتظر ہے ترا دوزخ میں وہ ناری ظالم
جنگ کو آ کہ ہے اب کی تری باری ظالم

دل لرزنے لگا ہر ایک کا تھرائے جگر یہ ہوا نعرۂ شیرانۂ ضیغم کا اثر
یا علیؑ بہرِ مدد آیئے اتنا کہہ کر خوف سے پیکرِ تصویر بنا لشکرِ شر (۵۴)
کردیا فوجِ جفا کار پہ حملہ حرؑ نے
ایک باقی نہ رہے دل میں یہ سوچا حرؑ نے

گوسفندوں کی طرح ڈر کے وہ بزدل بھاگے اہلِ شر رک نہ سکے حرؑ کے مقابل بھاگے
پاؤں قابو میں نہ تھے ڈر سے بمشکل بھاگے سب کے تھی پیشِ نظر موت کی منزل بھاگے (۵۵)
رخصت اک بار ہوا سوں کی طرح ہوش ہوئے
جن کے سر کٹ گئے سمجھے کہ سبکدوش ہوئے

رک گئے جس کے قدم کٹ گیا سر دھڑ سے گرا ایک ادھر دھڑ سے گرا ایک ادھر دھڑ سے گرا
پڑ گئی ضرب لڑی جس کی نظر دھڑ سے گرا (۵۶) تن کے جو ٹھہرا کٹی اس کی کمر دھڑ سے گرا
سر سے گزرے سوئے دوزخ جو تھے جانے والے
بھاگتے آئے نظر شان دکھانے والے

ڈر سے آزاد نظر آتے ہیں خواہانِ قفس زیست کو سمجھے ہیں نادان نگہبانِ قفس
روحیں جسموں میں ہیں یوں جیسے اسیرانِ قفس (۵۷) ان کو میداں میں نظر آتا ہے عنوانِ قفس
دل اڑے جاتے ہیں جز خوف جو دمساز نہیں
پاؤں قابو میں نہیں ہیں پرِ پرواز نہیں

جوش میں کر رہا تھا حرؑ صفتِ شیر وغا سپہِ شام میں ہر سمت تھا محشر برپا
گرم تھا موت کا بازار عجب عالم تھا (۵۸) دس یہاں بیس وہاں ایک ادھر دھڑ سے گرا
کچھ گئے بھاگ کے دوزخ میں تو کچھ مر کے گئے
سیکڑوں سوئے عدم سر کو قدم کر کے گئے

شور تھا جنگ کا یارا نہیں اب بھاگ چلو حرؑ نہیں ، آیا ہے خالق کا غضب بھاگ چلو
ہاں اگر جانیں بچانا ہیں تو سب بھاگ چلو (۵۹) بھائیو ڈوبنے دو نامِ عرب بھاگ چلو
جاں فزا قول بزرگوں کا یہاں ہے یارو
ہے مثل جان اگر ہے تو جہاں ہے یارو

ساقیا حرِّ وفادار کی جرأت دیکھی رن میں تنہا لڑا دو لاکھ سے ہمت دیکھی
شہؑ پہ ہونے کو ہے قربان محبّت دیکھی (۶۰) ہم نے اب تک نہ کسی میں یہ شجاعت دیکھی
کہتا ہے صبح نہ کر دوں تو مرا نام نہیں
آج یا میں ہی نہیں یا سپہِ شام نہیں

ساقیا قابلِ انعام ہوں میں بھی بخدا لکھی ہے مستِ مئے الفتِ سرورؑ کی وغا
گو کہ سرشار ہوں پر چاہتا ہوں اور پلا (۶۱) مست ہوجاؤں تو یوں جنگ کا کھینچوں نقشہ
سامنے بھاگنے کا فوج کی منظر آئے
اہلِ مجلس کو نظر حرِّ دلاور آئے

ساقیا خاک کو اکسیر بنا سکتا ہوں نار کو نور کی تنویر بنا سکتا ہوں
اپنی بگڑی ہوئی تقدیر بنا سکتا ہوں (۶۲) رزم کو بزم کی تصویر بنا سکتا ہوں
آج اگر حرؑ کی طرح میرا مقدر بن جائے
دہار تلوار کی اے تو سہی ساغر بن جائے

ساقیا جنگ کا میدان بنا مے خانہ بادۂ مرگ سے لبریز ہے ہر پیمانہ
بادہ کش خوف کی مئے سے ہے ہر اک مستانہ (۶۳) اب زبان زد سپہِ شام کا ہے افسانہ
اک تماشہ ہے کہ سب فوج کٹی جاتی ہے
محفلِ رقص ہر اک سمت نظر آتی ہے

آج تو جامِ مئے مرگ ہے حرؑ کی تلوار لڑکھڑاتے ہوئے سب بھاگے ہیں پیدل اسوار
بادۂ خوف سے اس درجہ ہر اک ہے سرشار (۶۴) جھوم کے گرے ہیں زخمی گریں جیسے مے خوار
ہیں جو کم ظرف تو منھ سب کے پھرے جاتے ہیں
مست کچھ ایسے ہوئے ہیں کہ گرے جاتے ہیں

ساقیا اب حرِؑ دیں دار بنا ہے ساقی آج تو یہ ترا مے خوار بنا ہے ساقی
لاکھوں کو کردیا سرشار بنا ہے ساقی (۶۵) کشتۂ مے ہے کہ تلوار بنا ہے ساقی
اب تو جبراً وہ شقی جانیں دے جاتے ہیں
گو کہ منھ پھر گئے ہیں پھر بھی پئے جاتے ہیں

حرؑ ہے خوش دیکھ کے عمروں کے چھلکتے ساغر اب مئے خوف سے مدہوش ہے سب لشکرِ شر
ہیں شرابور لہو سے وہ شقی دامن تر (۶۶) بھاگتے بھاگتے آئی ہے نظر راہِ سقر
ظلم پیاسوں پہ کیا تھا تو سزا پاتے ہیں
پینے کو ماء حمیم اب یہ وہیں جاتے ہیں

ساقیا دشمنوں کا تیرے یہی ہے انجام مستحق نار کے ہیں بادۂ کوثر ہے حرام
جو ترے چاہنے والے ہیں وہ اہلِ اسلام (۶۷) روز و شب پیتے ہیں تیری مئے الفت کے جام
سب ترے نام پہ مرنے کے لیے جیتے ہیں
حوصلہ مند ہیں پانی کی طرح پیتے ہیں

وہی پیتے ہیں جو ہیں صاحبِ ایماں یہ شراب اہلِ حق کے لیے ہے روحِ دل و جاں یہ شراب
بخششِ ہے صفتِ بوذر و سلمانؑ یہ شراب (۶۸) ہوتی ہے نور سے چہروں سے نمایاں یہ شراب
یوں محاسن کو خضاب اہلِ وفا کرتے ہیں
داڑھیاں خون سے رنگین کیا کرتے ہیں

تیرے مے خواروں کی ادنیٰ سی ہے یہ اک پہچان جوشِ الفت میں سمجھتے نہیں وہ جان کو جان
دست و پا قطع ہوں اس راہ میں جو کٹ جائے زبان (۶۹) تجھ پہ صدقے ہوں یہی رہتا ہے دل میں ارمان
گر ترے نام پہ دشمن ترے ماریں ان کو
شیرِ مادر بنیں تلواروں کی دھاریں ان کو

یوں ترے عاشقِ سرشار پیا کرتے ہیں   قید ہو گھر ہو کہ بازار پیا کرتے ہیں
بے زباں ہو کے سرِدار پیا کرتے ہیں (۷۰) صورتِ میثمؑ تمارؑ پیا کرتے ہیں
کوئی عالم ہو یہ اپنی ہی کیے جاتے ہیں
شوق یہ ہے تہہِ خنجر بھی پیے جاتے ہیں

جب یہ بڑھتے ہیں تری راہ میں بھرتے ترا دم   کیا کہوں نشہ میں کیا ہوتا ہے ان کا عالم
سر بھی کٹ جائیں تو پیچھے نہیں ہٹتے ہیں قدم (۷۱) جوشِ الفت میں صدا دیتے ہیں کھا کھا کے قسم
جس پہ غش ہیں وہ دل آرام نہ چھوٹے ساقی
ہاتھ کٹ جائیں مگر جام نہ چھوٹے ساقی

میں بھی ادنا ترا مے خوار ہوں اے گُل کے امیر   روز و شب پینے کی سوچی ہے یہ میں نے تدبیر
کرتا ہوں مدح تری ذکرِ جنابِ شبیرؑ (۷۲) مثلِ حرؑ بگڑی ہوئی میری بنا دے تقدیر
بس یہی شغل مرا صبح رہے شام رہے
بادہ نوشی کے سوا اور نہ کچھ کام رہے

ساقیا جاتا ہوں اب پیتا ہوا جام پہ جام   رن میں حرؑ جھومتا ہے بھاگ گیا لشکرِ شام
ہے مگر ضعف و نقاہت ، نہیں یارائے کلام (۷۳) لے خبر جلد کہ غازی ہوا جاتا ہے تمام
اپنے مے خوار کو یوں دادِ وفا دے ساقی
بھر کے دل جامِ شہادت میں پلادے ساقی

ساقیا دیکھ کے یہ حالتِ حرؑ صفدر   یک بہ یک پھر پڑے بھاگے ہوئے سب اہلِ شر
گھر گیا وا عصفا نرغے میں وہ نیک سیر (۷۴) چاہتے تھے کہ گرفتار کریں بڑھ بڑھ کر
عشق دل سے اسے تھا فاطمہؑ کے جانی سے
بھڑ گیا پا کے مدد قوّتِ ایمانی سے

چھکّے چھڑوا دیئے بے دینوں کے ایسی کی وغا   تا کجا لاکھوں وہ غدّار یہ غازی تنہا
تیور آن لگے اک تیرِ ستم دل پہ لگا (۷۵) اس قدر زخم لگے گھوڑے پہ سنبھلا نہ گیا
دی نہ آقا کو صدا گو کہ تھا مضطر غازی
یاعلیؑ کہہ کے گر فرشِ زمین پر غازی

یہ صدا سنتے ہی بے تاب ہوئے شاہِؑ امم   بولے عباسؑ علمدار سے کیوں روئیں نہ ہم
کیا وفادار و ادب داں ہے یہ خالق کی قسم (۷۶) کس کو ملتے ہیں بھلا خلق میں ایسے ہمدم
دل سے اس حال میں بھی عشق ہمارا نہ گیا
دھیان زحمت کا جو تھا ہم کو پکارا نہ گیا

کہہ کے یہ رن کو چلے روتے ہوئے سرورِ دیں   لڑکھڑاتے تھے جو غم سے تو لرزتی تھی زمیں
کہتے تھے ہائے اکیلا ہے کوئی پاس نہیں (۷۷) مجھ کو خطرہ ہے کہ سر کاٹ نہ لیں بانیِ کیں
جلد پوری ہو مرے دل کی تمنا دیکھوں
اب خدا سے یہ دعا ہے اسے زندہ دیکھوں

کہتے جاتے تھے یہ فرزندِ جواں سے شبیرؑ   تھا وفاداروں میں ممتاز حرِؑ خوش تدبیر
کب مرے عشق میں بڑھ بڑھ کے فقط کھائے تیر (۷۸) پیشتر ذبح ہوا ہائے غضب بے شمشیر
منھ سوئے ملکِ عدم موڑتے دیکھا اس نے
نوجوان شیر کو دم توڑتے دیکھا اس نے

کیا بیاں اس کی محبّت کا کروں اے مری جان   اس کی میّت پہ مرے اشک جو دیکھے تھے رواں
با وفا بھول گیا تھا غمِ فرزندِ جوان (۷۹) کہتا تھا آپ پہ قربان ہوں میں شاہِؑ زماں
لاکھ فرزند اگر ہوں تو نہ اک آہ کروں
یوں نثارِ قدمِ اکبرِؑ ذی جاہ کروں

دردِ دل بیٹے سے کہتے ہوئے جاتے تھے حسینؑ   برچھیاں غم کی دلِ زار پہ کھاتے تھے حسینؑ
جو کہ تھا دل میں زباں تک نہیں لاتے تھے حسینؑ (۸۰) اشک سو گرتے جو اک آنکھ دباتے تھے حسینؑ
تھام کے قلبِ حزیں آہِ جگر کرتے تھے
گہہ فلک پر کبھی اکبرؑ پہ نظر کرتے تھے

حرؑ کی بالیں پہ جو پہنچے شہِؑ آوارہ وطن   دیکھ کے خاک پہ بے ہوش کیے رو کے سخن
ہے ترے ہجر میں جینا مجھے واللہ کٹھن (۸۱) خاک آلودہ جو ہے حرؑ ترا روئے روشن
دیکھ تو اٹھ کے جو حالت ہے برادر میری
شدتِ غم سے طبیعت ہے مکدّر میری

وقتِ آخر تھا رگیں کھنچتی تھیں سینے پہ تھا دم   قافلہ زیست کا جانے ہی کو تھا سوئے عدم
ناگہاں پائی جو خوشبوئے شہنشاہِؑ اُمم (۸۲) آگیا ہوش میں چومے شہِؑ والا کے قدم
ہوگیا شاد مرادیں جو بر آئیں حرؑ کی
پھر سے اک مرتبہ نبضیں ابھر آئیں حرؑ کی

منھ پہ منھ رکھ کے پکارے یہ شہِؑ عرش سریر   اے مرے عاشقِ جانباز حرِؑ پاک ضمیر
ہو مبارک تجھے اب خلدِ بریں کی جاگیر (۸۳) تجھ سے شرمندہ ہے اے حرِؑ دلاور شبیرؑ
دل میں اک درد ہے حسرت تری مہمانی کی
ہائے کیا کرتا کہ اک بوند نہ تھی پانی کی

ہو جو فردوس میں ناناؐ کی زیارت اے حرؑ کہنا دیکھی ہے جو تو نے مری حالت اے حرؑ
کہنا یوں والدہ کرلیں نہ سماعت اے حرؑ ورنہ جنت میں بپا ہوگی قیامت اے حرؑ (۸۴)
جوشِ گریہ میں بلند ان کا جو نالا ہوجائے
کہیں ایسا نہ ہو دنیا تہہ و بالا ہوجائے

کہنا یہ والدِ ماجد سے پس از عرض سلام گھیرے ہیں آپ کے فرزند کو یوں لشکرِ شام
تین دن گزرے کہ ممکن نہیں اک پانی کا جام پیاسے بچوں میں قیامت کا ہے برپا کہرام (۸۵)
العطش کی جو بصد درد صدا دیتے ہیں
کیا زمین عرش الٰہی کو ہلا دیتے ہیں

کم نہیں خنجرِ برّاں سے سکینہؑ کی فغاں سن کے بسمل کی طرح ہے دلِ شبیرؑ تپاں
منھ سے باہر ہوئی ہے پیاس سے اصغرؑ کی زباں سر سے اٹھتے ہیں دھویں بڑھ گیا یہ سوزِ نہاں (۸۶)
برچھیاں غم کی دلِ اہلِ حرم کھاتے ہیں
کانٹے بچے کی زباں میں جو نظر آتے ہیں

جھک کے منھ تک رہے تھے حرؑ کا ، یہ تھی شانِ حسینؑ تھامے تھا جوشِ محبت میں وہ دامانِ حسینؑ
پڑ گئی چہرے پہ جو زلفِ پریشانِ حسینؑ جمع خاطر جو ہوئی ہنس دیا مہمانِ حسینؑ (۸۷)
خوش ہوا پاگیا بخشش کا سہارا غازی
مطمئن ہو کے سوئے خلد سدھارا غازی

غم سے مہمان کے مضطر تھے شہِ عرش اساس سر کو زانو سے ہٹا کے چلے با حسرت و یاس
دی بصد آہ صدا کانپ کے بھیّا عباسؑ کوئی بھی چاہنے والوں میں نہیں حرؑ کے پاس (۸۸)
لاش اٹھے شان سے ہر ایک کرے غم حرؑ کا
چاہیے اہلِ حرم میں بھی ہو ماتم حرؑ کا

کی گئی حکم کی تعمیل عزیز و انصار حرؑ کی میّت کو اٹھا لے چلے با عزّ و وقار
لاش رکھ کے درِ خیمہ پہ صدا دی اِک بار بس کہ اس کا نہیں ہے کوی یہاں ماتم دار (۸۹)
جو عزیزوں کے لیے ہوتا ہے سامان کریں
سوگ میں اہلِ حرم بال پریشان کریں

سن کے یہ کھول دیئے زینبؑ و کلثومؑ نے بال ماتمی صف جو بچھی غیر کیا سب نے حال (۹۰)
بین کرنے لگیں سیدانیاں با جوشِ کمال بولی فضّہ درِ خیمہ سے بہ اندوہ و ملال
حق پہ تو ہوگیا قربان بہ فرمانِ حسینؑ
تجھ پہ ماں باپ مرے صدقے ہوں مہمانِ حسینؑ

اب کہو رو کے شدیدؔ اے مرے مظلوم امامؑ (۹۱) تجھ پہ اللہ کی جانب سے درود اور سلام
حسرتِ گریۂ و ماتم تھی تجھے بہرِ غلام ہائے جب تو نے قضا کی یہ ہے رونے کا مقام
ہاتھ رسّی سے بندھے تھے یہ تھا عالم آقا
نہ ترا اہلِ حرم کر سکے ماتم آقا

مرثیہ درحالِ بی بی امّ البنین سلام اللہ علیہا۔۔۔۔قیصر عباس قیصر

لکھا ہے حضرتِ امُّ البنینؑ کا احوال کنیز کہتی تھیں زہراؑ کی خود کو خوش اقبال
شہید جن کے ہوئے کربلا میں چاروں لال (۱) سوائے ماتمِ سرورؑ نہیں تھا ان کو خیال
وہ رو کے کہتی تھیں جینے کا اب جواز گیا
نواسہ خلق سے پیاسا شہِؑ حجاز گیا

جریؑ کے سر پہ لگے گُرز ہو نہیں سکتا وہ سوچتی تھیں قلم کس طرح سے ہاتھ ہوا
وہ میرا لال مری تربیت کا مظہر تھا (۲) یہ کس طرح سے ہوا کہ سرِ حُسینؑ کٹا
غمِ حُسینؑ میں رو رو کے جان کھوتی رہیں
وہ بعدِ کرب و بلا پانچ سال روتی رہیں

وہ مرثیے جو جگر پاش پاش کرتے تھے وہ مرثیے جنھیں سن کر سب آہ بھرتے تھے
صدائے غم سے دل و جان سب بکھرتے تھے (۳) عدوئے آلؑ کے دل پر گراں گزرتے تھے
بیان کرتی تھیں نیزہ جگر میں گاڑا ہے
رسولؐ آپ کی امّت نے گھر اجاڑا ہے

یہ وقت وہ ہے کہ عالم پہ سوگ طاری ہے جگر میں درد ہے آنکھوں سے خون جاری ہے
ہر ایک پوچھتا پھرتا ہے کیسی زاری ہے (۴) سوئے جناں کہا دادی مری سدھاری ہے
پکارے عابدِؑ مضطر حزین کو مارا
شقی نے زہر سے اُمُّ البنینؑ کو مارا

بپا ہے شورِ قیامت اے مادرِ عباسؑ ہے سوگوار امامت اے مادرِ عباسؑ
بگڑتی جاتی ہے حالت اے مادرِ عباسؑ (۵) رلا رہی ہے شہادت اے مادرِ عباسؑ
جو خون روتے ہیں اس غمزدہ گھرانے کو
دیا ہے تازہ الم اشکِ غم بہانے کو

۞۞۞

وسیم امروہوی کا مرثیہ ''استغاثہ''

پروفیسر محمد زمان آزردہ

ہندوستان میں اسلامی تہذیب، نعت گوئی، منقبت خوانی، مرثیہ گوئی اور عزاداری کے اعتبار سے اودھ کے مشہور شہر امروہہ کی بڑی اہمیت ہے۔ تاریخ کے سامنے کے اوراق الٹیئے تو شمیم امروہوی سے لے کر ناشر نقوی اور وسیم امروہوی تک کتنے نام ایسے آتے ہیں، جنہوں نے اپنے لیے نہ صرف مرثیہ گوئی میں بلکہ پورے اردو ادب میں بالخصوص نعتیہ اور رثائی ادب میں اپنے کارناموں سے اپنے آپ کو تاریخ اردو ادب کا ایک اہم حصّہ بنا دیا۔ یہاں کے بعض شعراء دربارِ رام پور سے بھی وابستہ رہے، جن میں شمیم امروہوی اور نسیم امروہوی کا ذکر بطور خاص آتا ہے۔ شمیم امروہوی کا دربارِ رام پور میں قیام یوں بھی اہم ہے کہ اسی زمانے میں اردو ادب کے مایہ ناز مرثیہ گو مرزا سلامت علی دبیر کے فرزند مرزا محمد جعفر اوج بھی رام پور میں قیام رکھتے تھے۔ مرزا اوج جدید مرثیے کے بانی اور فنِ عروض کے ماہر تھے، جس کا ثبوت ان کی تصنیف ''مقیاس الاشعار'' ہے۔ ان کے قیام کے دوران کوئی بھی اندازہ کرسکتا ہے کہ شمیم امروہوی نے کس قدر استفادہ کیا ہوگا اور دونوں اساتذہ نے مل کر فضائل اور مصائب کے بیان کے لئے کیا کیا نئی صورتیں اور نئے پیرائے تراشے اور تلاشے ہوں گے۔ نسیم امروہوی بعد میں ذاتی وجوہات کے سبب کراچی تشریف لے گئے۔ اور بیسویں صدی کے اواخر میں کراچی میں انتقال کیا۔ بہرکیف نسیم امروہوی ہوں، عظیم امروہوی ہوں، ناشر نقوی ہوں یا کہ وسیم امروہوی مرثیہ کو بحیثیتِ صنف کے انہوں نے اس طرح اپنایا کہ لکھنؤ اور زید پور کے بعد بلکہ ساتھ ساتھ امروہہ کا نام بھی اردو مرثیے کی تاریخ میں مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ اس وقت میرے سامنے وسیم امروہوی کے پانچ مرثیے ہیں۔ جو انہوں نے ۲۰۱۶ء سے ۲۰۲۱ء تک تصنیف کئے ہیں۔ ان مراثی کی خصوصیت یہ ہے کہ کشمیری مرثیے کی طرح علیحدہ، علیحدہ عنوان کے تحت کہے گئے ہیں۔ یوں تو اردو مرثیہ ابتدا ہی سے کسی نہ کسی عنوان کے تحت کہا گیا ہے لیکن اس عنوان کی صورت یہ رہی ہے کہ ''کس شہید کے حال کا مرثیہ ہے'' چنانچہ مرزا دبیر کے یہاں اگرچہ بعض مرثیے بحوالہ حالِ شہداء کے علاوہ بھی ہیں جیسے ''انصاف'' کے موضوع پر، انتقام کے موضوع پر یا پھر تاتاریوں کے ظلم سادات کے موضوع پر مرثیے ملتے ہیں زیادہ تر مرثیے شہدا کے حال کے ذیل میں آتے ہیں البتہ اجزائے مرثیہ جیسے فضائل، رزم اور بین بطور خاص ہر مرثیہ کے اجزاء میں شمار ہوتے ہیں۔ یوں تو ناقدین بشمول شبلی نعمانی نے اجزائے مرثیہ پر بالتفصیل قلم اٹھایا ہے اور اس میں رخصت اور آمد کا بطورِ خاص ذکر کیا گیا ہے، بلکہ بعض نے سراپا کو بھی الگ بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ لیکن وحید اختر نے آگے چل کے مختلف موضوعات کی ذیل میں مرثیہ کہہ کر اس صنف کی توسیع میں دوسرے عنوانات کے لیے گنجائش پیدا کر لی ہے۔ مثال کے طور پر جناب فاطمہ الزہرا (سلام اللہ علیہا) خاتونِ جنّت سیدۃ نساء العالمین کے حال کا مرثیہ بعنوان ''پیوند'' کہا اور اسی طرح سے دوسرے مراثی کا بھی عنوان بتایا۔ پروفیسر منظر عباس نقوی نے بھی مراثی کو عنوانات کے تحت نظم کیا۔ یہاں کشمیری مرثیے کا ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ کشمیری زبان میں کہا ہوا ہر مرثیے ایک عنوان رکھتا ہے، جس کے تحت کسی خاص موضوع کی تفسیر اور تفصیل مرثیے میں شامل ہوتی ہے۔ ان مرثیہ گویوں کا کمال یہ ہے کہ فضائل اور بین کا تعلق بھی اسی عنوان کے ساتھ کسی نہ کسی طرح تشبیہوں اور استعاروں کے حوالے سے آتا ہے۔ مثال کے

طور پر اگر مرثیے کا عنوان جہاز ہے تو دریا، سمندر، مچھلی، کشتی، جہاز، بادبان، لنگر، ملّاح اور پانی سے متعلق اصطلاحوں کو مرثیے میں استعمال کیا گیا ہے اور کوائف کو ان کے ساتھ ایسا جوڑا جاتا ہے کہ پورا واقعۂ کربلا اور مرثیے سے متعلق مخصوص شہداء کے احوال کو ان ہی ناموں، اشاروں اور کنایوں کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں وسیم امروہوی کے پانچ مراثی کا ذکر کرنا مقصود ہے جن میں ایک

۱۔استغاثۂ حق ۹۶ بندسنِ تصنیف ۲۰۱۶ء

۲۔گریۂ تبسم ۶۰ بندسنِ تصنیف ۲۰۲۰ء

۳۔تفسیرِ وفا ۶۱ بندسنِ تصنیف ۲۰۲۰ء

۴۔طلوعِ سخن ۶۰ بند تصنیف ۲۰۲۱ء

۵۔آغوشِ عصمت ۶۷ بندسنِ تصنیف ۲۰۲۱ء

وسیؔم امروہوی نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ عنوان پورے مرثیے میں کسی نہ کسی طرح سے بولتا رہے۔ اور عنوان سے متعلق اہم نکات کی وضاحت ہو۔ چنانچہ اپنے مرثیے استغاثۂ حق میں بڑی مہارت اور چابک دستی کے ساتھ استغاثۂ اور حق دونوں کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ حق کے حوالے سے ان کے ایک بند کی ٹیپ ملاحظہ ہو۔

رقص کرتا ہے زمانہ میری دھن پر دیکھو
ہو جو ممکن تو یہ دھن حق کی بدل کر دیکھو

اس کے بعد آنے والا بند ملاحظہ کیجیے۔

حق کی تاثیر کہ شعلوں کو شبنم کر دے — سنگ کو موم کرے درد کو مرہم کر دے
حق کے آگے جو بشر اپنی جبیں خم کر دے — معجزہ حق کا اسے قنبرؓ و میثمؓ کر دے
آتشِ ظلم کو گلزار بنا سکتا ہوں
جذبۂ صبر کو تلوار بنا سکتا ہوں

اس کے بعد والے بند کے یہ دو شعر ملاحظہ کیجیے۔

حق کی پرواز کو پہنچے نہ کوئی وہم و گماں — بارہا عرش نے چومے میرے قدموں کے نشاں
میں جو بولوں تو بدل سکتی نہیں میری زباں — آج تک دار سے جاری ہے، صداقت کا بیاں

چند اشعار میں انہوں نے حق و صداقت کا بول بالا کر کے ان کی طاقت اور ان کے اثر دونوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حق کے معنی اگر چہ صداقت کے علاوہ اور بھی ہیں لیکن یہاں حق و صداقت دونوں ایک دوسرے کو آگے بڑھا دیتے ہیں، وسیؔم امروہوی نے اس مرثیے کو حق استغاثہ کے طور پر پیش کر کے نہ صرف یہ کہ حق دار کی ترجمانی کی بلکہ حق کے اندرونی اوصاف کی بھی توضیح کی ہے۔ وسیؔم امروہوی نے ''حق'' کے پردے میں ایسے ایسے تاریخی حقائق نظم کر کے رکھ دیئے ہیں ان کا یہ مرثیہ پڑھتے وقت اسلامی تاریخ کا شعور بھی پیدا ہوتا ہے اور تجسس بھی۔ چنانچہ ایک مرثیے کے وسیلے سے انہوں نے اسلامی تاریخ کے مختلف واقعات اور اس کی مختلف شخصیات اور ان کے کارناموں کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے یہ موقع نہیں ہے کہ ان واقعات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے لیکن وسیؔم صاحب کی کاوشوں کا حوالہ اور ذکر

اہم ہے۔ملاحظہ کیجیے یہ چند بند۔

حق کی تائید ہے قرآن کا سیدھا رستہ پیروی ہے میری ، ایمان کا سیدھا رستہ
ہر قدم ہے یہی انسان کا سیدھا رستہ ہے حمایت میری عرفان کا سیدھا رستہ
حق کی طاعت ہو اگر مشغلہ فکر و نظر
تو سلجھ جائے ہر اک مشغلۂ فکر و نظر

وسیم امروہوی نے حق کی قوت اور اس کے معجزات کو بیان کرنے میں طاقتِ لسانی کو خوب آزمایا ہے کبھی کبھی تعجب بھی ہوتا ہے کہ یہ کم عمر مرثیہ گو زبان پر ایسی قدرت رکھتا ہے کہ اسے واقعات کو پیش کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ایک بند کی بیت ملاحظہ کیجیے۔

حشر تک حقّ و صداقت کی نشانی اُگلے
ریت بھی حق کے قدم چوم کے پانی اُگلے

اب ملاحظہ کیجیے کہ حق کی مختلف صورتوں اور اس کے مختلف آثار کو کس ہنرمندی کے ساتھ نظم کیا ہے کہ کوئی نثری بیانیہ ہو۔اس میں تاریخ بھی ہے،اشخاص بھی ہیں اور واقعات کا تسلسل بھی کہتے ہیں۔

حسنِ یوسفؑ سے سنواری گئی صورت حق کی صبرِ یعقوبؑ پیمبر ہے ، کرامت حق کی
اور مریمؑ کا تقدس بھی ہے زینت حق کی کی زکریاؑ کی دعاؤں نے ، طہارت حق کی
ہر ہنر دیکھ کے گزرا ہے زمانہ میرا
خلقتِ حضرتِ عیسیٰؑ ہے کرشمہ میرا

دے گئے حضرتِ ہارونؑ شہادت حق کی ہیبتِ حضرتِ موسیٰؑ نے کی جلالت حق کی
ظلم سہہ کر بھی چمکتی رہی قسمت حق کی رعبِ شاہی سے بھی ٹوٹی نہیں ہمت حق کی
آگیا حق کے مقابل جو مقدّر ڈوبا
حق کی موجوں میں ہے فرعون کا لشکر ڈوبا

ان دو بند میں وسیم صاحب نے ہماری توجہ تاریخِ اسلام کے ان ابواب کی طرف مبذول کی ہے جن میں حق و باطل کے معرکے رہے ہیں اور بالآخر حق کا بول بالا رہا ہے۔اصل میں معرکہ ہائے حق و باطل میں واقعہ کربلا تاریخ کے اس موڑ پر سامنے آتا ہے جب ظاہر ہے کوئی پیغمبر نہیں آسکتا تھا کہ نبوت ہمارے رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰؐ انبیاءؑ کے سردار پر تمام ہوچکی تھی اور یہ سلسلہ آخر ہو چکا تھا مگر ان سے قبل جو انبیاءؑ تشریف لائے تھے انہوں نے بھی حق کے لیے قربانیاں پیش کی تھیں۔اور حق کا پلّہ بھاری رکھنے کے لیے اپنی جماعتوں سے تلقین کی تھی۔حق کی تعلیم دینا،حق کی ترویج کرنا،حق کی تائید کرنا یہ انبیاءؑ کا شرف بھی رہا ہے اور فرض بھی۔نبیؑ کسی صورت میں ڈر کی وجہ سے جان کے خوف سے،مال کے ضائع ہونے کے ڈر سے،حق کو چھپا نہیں سکتا ہے۔اور نہ اس کو کسی طرح سے تلف پسپا ہونے دے سکتا ہے۔پیغمبر کا کام یہی نہیں ہے کہ حق کا علم بلند رکھے اور فرمانِ الٰہی کی تائید کرے۔ایسا کرنے میں اس کی جان کا زیاں ہو یا مال ضائع ہو،یہ سب اسے برداشت کرنا ہی ہے۔نبیوں کو خلق ہی اسی مقصد سے کیا گیا ہے کہ وہ صداقت کے راستے پر خود چلیں اور دوسروں کو چلنے کی ترغیب بھی دیں اور تاکید بھی کریں۔ان دو بندوں میں وسیم نے صبر یعقوب علیہ السلام،استقلالِ یوسف علیہ السلام کے باب میں ذکر کیا ہے کہ ان کے صبر نے حضرتِ یوسفؑ کو حق پر قائم رہنے کی

قوت بخشی۔ اگرحق پر چلنے والوں کوحق کے ماننے والوں کو،حق پرعمل کرانے والوں کوصبر نہ ہوتو بلا سمجھے بوجھے خون خرابہ ہوسکتا ہے،حق سے بدگمانی ہوسکتی ہے،اور عجلت کا ساتھ ہوسکتا ہے بلکہ یہاں تک کہ حق کی آڑ میں بےانصافیاں ہوسکتی ہیں۔اس مرثیے کے بند نمبر ۱۳ کی بیت ملاحظہ ہو۔

صرف حق گوئی سے ہوتا نہیں انساں کامل
صبر اور حق جو ہوں یکساں تو ہے ایماں کامل

اس کے بعد اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے کرتے جب کربلا میں پیش آنے والے واقعات کی روشنی میں حق و باطل کا ترازو ہاتھ میں لے کرحق کی بھاری ہونے کا مشاہدہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں، دشمنانِ دینِ حق کا ذکر یوں کرتے ہیں کہ حضرت زکریاؑ کی سجدہ ریزی اور تخلیقِ حضرت عیسیٰؑ اوراس کے ساتھ ساتھ حضرتِ مریمؑ کی تکریم اور تقدس کوحق کے آثار کے طور پر شناخت دینے کی سعی کی ہے، چنانچہ حضرت موسیٰؑ کی جلالت اور ہارونؑ کی شہادت اور فرعون کے لشکر کا دریائے نیل کی موجوں میں غرق ہونا ہی سب بھی حق کی وہ نشانیاں ہیں، جو ربّ العالمین کی ہدایات پرعمل کرنے اورعمل نہ کرنے کے وہ نتیجے ہیں جن سے انسان کوکسی طرح بھی مفر نہیں۔

جنابِ رسالت مآب خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰؐ کی جانب سے حق کی جو پاسبانی ہوئی، یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ عرب کے بت گر اور باطل پرست اپنے اصنام کے ساتھ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے اور جنہوں نے بمثلِ حیدرِ کرار علیہ السلام زندگی میں بھی اور بعد از موت بھی قربِ نبیؐ برحق اور قربِ ربّ العالمین حاصل کیا کہا ہے۔

کس طرح حیدرؑ کرار نے کی نصرتِ حق — دن بدن بڑھنے لگی شہرتِ حق ، قسمتِ حق
کو بہ کو پھیل گئی خشبوئے حق ، رنگتِ حق — مستقل محنتِ حیدرؑ سے بنی قسمتِ حق
ہر قدم احمدؐ مختار کے پیچھے پیچھے
حق چلا حیدرؑ کرّار کے پیچھے پیچھے

ایک خاص بات جس کا ذکر وسیمؔ نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ حق کے ساتھ صبر بھی چاہیے، جیسے اس سے قبل حضرتِ یعقوبؑ کے حوالے سے کہا تھا۔

ایسا قرآن و شریعت کو فراموش کیا — خود ہی بت ہوگئے، وحدت کو فراموش کیا
سیرت پاکؐ کو سنت کو فراموش کیا — یوں مسلمانوں نے عطرت کو فراموش کیا
درسِ توحید کا ، ایمان کا سبق بھول گے
ہائے اولادِ پیمبرؐ کا بھی حق بھول گے

اس کے بعد یہ صورت حال پیدا ہونے پر اولادِ نبیؐ کے بیشتر حقوق سے منہ پھیر کر آخر میں نوبت یہ آ گئی کہ یزید ابن معاویہ آلِ نبیؐ سے بیعت طلب کرنے لگا کہ اس کو اپنا خلیفہ مان کر اور اس کے بنائے ہوئے مسلک کوحق کی سند بخشیں، چنانچہ حق سے منہ پھیر کر روحِ اسلام کو مسخ کر کے ایک ایسے دین کوفروغ دینا، جس میں کوئی نیکی نہ ہو بلکہ خودغرضی، لالچ اور غیر شرعی اعمال کو ترجیح ملے۔ظلم و بربریت کو رواج ملے، مئےنوشی اور بداعمالیوں کوفروغ ملے۔ظاہر ہے یہ بات آلِ نبیؐ کو کیونکر تسلیم ہوتی، جن لوگوں کو پنگوڑے سے ہی حق پر فدا ہونے کی تلقین کی گئی ہو۔ بےانصافی، بےمروتی، اور غیر اخلاقی احکام کے آگے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہونے کی تعلیم دی گئی ہو، بھلا وہ کیونکر یزید کے اس مکروفریب کو تسلیم کرتے، چنانچہ آلِ نبیؐ کا یہ قافلہ جس میں بچے، بوڑھے، خواتین اور بزرگ اور بیمار بھی شامل تھے مدینے سے نکل کر کربلا کی طرف روانہ ہوا۔ دورانِ سفر یزیدی سپاہ اوران کے بہی خواہوں نے اذیتیں بھی دیں، یہاں تک کہ میدانِ کربلا میں، یزیدی فوج نے

امامؑ، ان کے کم سن بچوں، بیمار اورضعیف ساتھیوں اور خواتین پر پانی بند کر دیا مگر وہ حق وصداقت کے راستے پر ڈٹے رہے وسیم نے میدان کربلا میں پیش آنے والے حق و باطل کے اس معرکے کو نہایت سنجیدہ الفاظ اور مناسب اور مربوط مفاہیم کے ساتھ پیش کرتے ہوئے حق کا بول بالا رہنے کی پراثر تصویر کھینچی ہے۔ جن کی مثال یہ بند پیش کرتے ہیں۔

کیا نہیں جانتے تم سبطِ پیمبرؐ ہوں میں فاطمہؑ کا ہوں پسر اور دلبرِ حیدرؑ ہوں میں
راکبِ دوشِ نبیؐ وارثِ منبر ہوں میں لاکھ تنہا ہوں مگر جان لو حق پر ہوں میں
صحبتِ حق پہ جو مصروفِ جفا ہو تم لوگ
فاسق و ظالم و مغضوبِ خدا ہو تم لوگ

آسمان سرخ تھا اور آگ تھی پانی میں کہیں زلزلہ آیا لرزنے لگی مقتل کی زمیں
خام مقتل کی لگے چومنے جبریلؑ امیں عرش سے فرش پہ اترے سبھی جنت کے مکیں
دین کا تاج نبی شہؑ کی نمازِ آخر
حق کی معراج نبی شہؑ کی نمازِ آخر

غرض وسیم کا یہ مرثیہ استغاثۂ حق، نہ صرف صنفِ مرثیہ کے تقاضے پورے کرتا ہے بلکہ اس میں ''حق'' کی حق ادائی کرنے کی بہت ہی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مرثیے کا مآل بکا سے تعبیر کیا گیا ہے اور بقولِ انیس۔

مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے

اس مرثیے میں مصائب بھی حق کی تائید کے پس منظر میں سامنے آتے ہیں کہ غیر حق کے ماننے والوں نے حق کو پامال کر کے نہ صرف یہ کہ آلِ نبیؐ اور ان کی عطرت کو سرِ عام زک پہنچائی، بیبیوں کی ردائیں چھین لیں، بچوں کے کڑے اور بندے چھین لیے، بھوک اور پیاس سے تڑپایا، بے شیر بچے سے لے کر پیاسے بزرگوں تک کو تہہ تیغ کیا، حق وانصاف کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔ وسیم نے یہ سب بیان کرتے کرتے حق کا پرچم ایسا لہرائے رکھا کہ ظالم سے ظالم بھی حق کی طاقت سے مرعوب ہوا۔ ایک بات اس مرثیے کی خاص یہ ہے کہ وسیم نے جو پرچم اس کی ابتداء میں اپنے ہاتھ میں لیا تھا اس کا آخر تک بلند رکھا۔

❀❀❀❀

www.emarsiya.com

دنیا کی سب سے بڑی ڈیجیٹل مرثیہ لائبریری جہاں آپ انیس و دبیر کے مکمل مطبوعہ مراثی کے علاوہ ۳۲۰ مرثیہ نگاروں کے ۴۰۰۰ سے زائد مراثی حاصل کر سکتے ہیں۔ سوزخواں خواتین وحضرات کے لیے بستۂ سوزخوانی کا بھی انتظام ہے۔ اگر آپ مزید مراثی اس ویب سائٹ پر شامل کرنا چاہیں تو اس ای میل پر رابطہ کریں۔

faroghemarsiya@gmail.com

مرثیہ ''محضرِ غم''

جرار چھولسی

تاریخ کائنات جو ہے ہفت رنگ ہے

تعدادِ بند۔۔۔۔۴۴

(۱)

تاریخِ کائنات جو ہے ہفت رنگ ہے — ہر صفحہ اس کا فکر گو میدانِ جنگ ہے
حالات جو رقم ہیں عجب ان کا ڈھنگ ہے — دل اپنا اختلافِ روایت سے تنگ ہے
کس کو صحیح کس کو غلط برملا کہیں
اندیشے سینکڑوں ہیں کہیں بھی تو کیا کہیں

(۲)

عبداللہؑ ابنِ جعفرِؑ طیّارِ نامدار — رکھتے تھے اپنی ذات میں اوصاف بے شمار
جود و سخا عطا و کرم فضل و اقتدار — مردِ شجاع ، صاحبِ ثروت ، نکو شعار
باطن میں بحرِ فیض تھے ظاہر میں موج تھے
یہ خوبیوں میں فرد تھے زینبؑ کے زوج تھے

(۳)

حالِ وفاتِ زینبِؑ غمگین و سوگوار — مشہور ہے کہ بیلچے سے سر ہوا افگار
دو بیٹے تھے جو بھائی کے اوپر کیے نثار — ہے بعض راویوں کی روایت سے آشکار
فرزند ان کے بطنِ مبارک سے چار تھے
دو بیٹیاں تھیں جن پہ کرم بے شمار تھے

(۴)

تاریخ میں ہے یہ بھی روایت لکھی ہوئی — عبداللہؑ زوجِ زینبِؑ جان و دلِ علیؑ
تھے مالکِ زمین و زراعت سخی جری — بے شبہ ملکیت میں زمین شام میں ہی تھی
جس سال زد میں قحط کی سارا مدینہ تھا
رہنا وہاں محال تھا دشوار جینا تھا

(۵)

اہل و عیال کو لئے آپ آئے سوئے شام — شہرِ مدینہ چھوڑا کیا شام میں قیام
زینبؑ ہوئیں علیل ملا موت کا پیام — عبداللہ محوِ گریہ و زاری تھے صبح و شام
باسٹھ تھا سال ہجری رجب کی تھی پانچویں
تاریخِ مرگ چودہ رجب ہے لکھی کہیں

اس قسم کی روایتیں ملتی ہیں بے شمار جس سے ہماری فکر میں پیدا ہے انتشار
تحقیقِ واقعات کا ہو کون ذمّہ دار؟ (۶) خود ذہنِ سامعین میں بھی ہوگا خلفشار
کیا ہم کو اختلافِ روایت سے کام ہے
ہم تو وہی کہیں گے جو مشہور عام ہے

دربار میں جب آئے اسیرانِ کربلا آفت کی وہ گھڑی تھی قیامت کا سامنا
مصروف جشن میں تھا ہر اک بانیِ جفا (۷) ذرّیتِ رسولؐ تھی آفت میں مبتلا
جھنڈے نشاط و عیش کے ہر سو گڑے ہوئے
سب کرسیوں پہ بیٹھے ہوئے یہ کھڑے ہوئے

کہنے لگا یزید سیہ کار و بدگہر اے شمر حال قیدیوں کا کچھ بیان کر
تب مسکرا کے کہنے لگا وہ زبوں سیر (۸) جو بی بی سب کے آگے کھڑی ہے جھکائے سر
زینبؑ ہے نام ، لاڈلی ہے یہ بتولؑ کی
بیٹی علیؑ کی اور نواسی رسولؐ کی

یہ داستانِ درد سناتی ہوئی چلی سنگیں دلوں کو خون رلاتی ہوئی چلی
خطبوں کا اپنے رنگ جماتی ہوئی چلی (۹) بنیادِ کائنات ہلاتی ہوئی چلی
پردے جو غفلتوں کے پڑے تھے اٹھا دیئے
دن کو سواد شام میں تارے دکھا دیئے

کرتی رہی یہ نشر حسینؑ پیام کو دونا بلند کر گئی بھائی کے نام کو
بخشا سحر کا نور دلِ اہلِ شام کو (۱۰) حیران کر گئی دلِ ہر خاص و عام کو
خطبوں میں رنگ تھا اسد کردگار کا
اپنی زبان سے کام لیا ذوالفقار کا

کہتی تھی صبر و شکر کے پیکر ہمیں تو ہیں اسلام کے محافظ و رہبر ہمیں تو ہیں
اے لوگو اہلبیتِؑ پیمبرؐ ہمیں تو ہیں (۱۱) منشائے ذوالجلال کے مظہر ہمیں تو ہیں
اسلام کا خیال تھا اس کو شروع سے
آگاہ کرتی آئی اصول و فروع سے

بخشندۂ حیات ہمیں ہیں خبر بھی ہے دارائے شش جہات ہمیں ہیں خبر بھی ہیں
اب کشتیِ نجات ہمیں ہیں خبر بھی ہے (۱۲) مختارِ کائنات ہمیں ہیں خبر بھی ہے
چاہیں تو شب کو دن کریں اور دن کو شب کریں
قدرت ہے ہر طرح کی جو چاہیں وہ سب کریں

''انجم'' شکوہ و شانِ درِ آلِ مصطفیٰؐ ''مہتاب'' شمعدانِ درِ آلِ مصطفیٰؐ
''قدسیٰ'' قصیدہ خوانِ درِ آلِ مصطفیٰؐ (۱۳) جبریلؑ پاسبانِ درِ آلِ مصطفیٰؐ
عظمت وہ پائی جس کی کوئی انتہا نہیں
ہر دو سرا میں ہم سا کوئی دوسرا نہیں

دینِ رسولؐ اصل میں جوہر ہمارا ہے اللہ کا جو گھر ہے وہی گھر ہمارا ہے
جنّ و ملک کو شام و سحر ڈر ہمارا ہے (۱۴) جنّت ہماری ملک ہے کوثر ہمارا ہے
ہے کہکشاں یہ جادۂ پامالِ مصطفیٰؐ
عرشِ بریں ہے سنگِ درِ آل مصطفیٰؐ

کس خواب میں ہو شافعِ محشر ہمیں تو ہیں ہنگامِ نزع مونس و یاور ہمیں تو ہیں
دراصل کارسازِ مقدر ہمیں تو ہیں (۱۵) آئینۂ صفاتِ پیمبرؐ ہمیں تو ہیں
دونوں جہاں میں منتخب و بے نظیر ہیں
اے غافلو ہمیں تو بشیر و نذیر ہیں

بولا یزید اس کو ذرا لا قریب لا باتیں بھی کچھ کروں گا میں صورت بھی دیکھوں گا
فضہؑ عقب سے آگے بڑھی اور یہ کہا (۱۶) تو دیکھے میری بی بی کو تیری مجال کیا
فضہؑ حجابِ زینبؑ ناچار بن گئی
پیری میں ایک آہنی دیوار بن گئی

جھنجھلا کے تب یزید پکارا بصد عتاب اے شمر کون ہے یہ ضعیفہ ہٹا شتاب
یہ سن کے درّہ لے کے بڑھا خانماں خراب (۱۷) فضہؑ نے اہلِ قوم سے اپنی کیا خطاب
اے قوم تیری شرم کو غیرت کو کیا ہوا
تیری حیا کو تیری مروّت کو کیا ہوا

درّہ اٹھائے ہاتھ میں ہے کینہ جو بڑھا جو ہم وطن تمھاری ہو اس پر ہو یہ جفا
یہ سن کے سب کو جوشِ حمیّت کا آگیا (۱۸) پیشِ یزید آکے یہ ایک ایک نے کہا
روک اس کو فضہؑ پر جو کہیں درّہ پڑ گیا
یہ جان لے کہ شام کا نقشہ بگڑ گیا

کوئی کسر نہ چھوڑیں گے ہم انتقام میں تلواریں سات سو نہیں اس دم نیام میں
دریا بہے گا خون کا دربارِ عام میں (۱۹) اک اور کربلا نظر آئے گی شام میں
تیغوں سے قتل تو نہ اگر آج ہوئے گا
جب تک جئے گا اپنے مقدر کو روئے گا

یہ دیکھ کر یزید لرز اٹھا اور کہا اے شمر بس پلٹ کے اب اپنی جگہ پہ آ
اس وقت ضبط بنتِ علیؑ سے نہ ہو سکا (۲۰) مڑ کر سوئے مدینہ یہ ناناؐ کو دی صدا
اے ناناؐ جان حال نواسی کا دیکھیے
ہونٹوں پہ دم ہے بھوکی پیاسی کا دیکھیے
فضہؑ کے جسم پر ابھی درّہ پڑا نہ تھا بہرِ مدد ہر اہلِ وطن اٹھ کھڑا ہوا
آئی ہوں درّے کھاتی ہوئی میں تو جا بجا (۲۱) لیکن کسی نے میری حمایت نہ کی ذرا
کیوں ناناؐ جان صاحبِ ایماں نہیں رہے
کیا آج کل جہاں میں مسلماں نہیں رہے
حیران ہوں کہ آپ کی اُمّت کو کیا ہوا سیرت پکارتی ہے اخوّت کو کیا ہوا
قرآن دم بخود ہے شریعت کو کیا ہوا (۲۲) آتی نہیں ہے اب بھی قیامت کو کیا ہوا
منصف کہاں چلے گئے ایماں کہاں گیا
دنیا سے آج ہائے مسلماں کہاں گیا
زینبؑ کے اس بیان سے کانپا شقی کا دل زنداں میں سب کو بھیج دیا ہو کے منفعل
وہ قید کی جفائیں وہ صدماتِ جاں گسل (۲۳) وہ ظلم جس سے خود ستم ایجاد تھے خجل
لیکن یہ قیدی ظلم کی بنیاد ڈھا گئے
آخر رہائی پا کے مدینے میں آگئے
دو سال بھی نہ چین غریبوں کو مل سکا پھر عابدؑ مریض ہوئے قیدیِ جفا
لے کر چلے دوبارہ سوئے شام اشقیا (۲۴) زینبؑ کو علمِ حالِ اسیری نہ ہوسکا
زینبؑ تھیں ناتواں و علیل اس زمانے میں
مصروف صبح و شام تھیں آنسو بہانے میں
بے تاب ہو کے رہ گئی جب یہ خبر سنی فضہؑ سے بولی لا مرا ناقہ اسی گھڑی
ناقہ لگا جو در سے اٹھی کانپتی ہوئی (۲۵) فضہؑ سہارا دیتی ہوئی ساتھ ہی چلی
بغلوں اپنے اپنے ہاتھوں کو ڈالے ہوئے چلی
بیمار و ناتواں کو سنبھالے ہوئے چلی
زینبؑ سوارِ ناقہ بصد جد و کد ہوئیں پڑھ کر دعائیں کرتی رہی دم وہ خوش یقیں
زانو پہ رکھ کے بیٹھی سرِ زینبِؑ حزیں (۲۶) کچھ دور ہی یہاں سے گئی تھی سپاہ کہیں
جاری سفر تھا مشغلۂ اشک و آہ میں
زینبؑ ملیں بھتیجے سے خود آکے راہ میں

نزدیکِ شام ، شام کو آئے جو اہلِ شام اس رات کو وہیں کیا اس فوج نے قیام
زینبؑ نے دیکھا خواب میں فرماتے ہیں امامؑ (۲۷) زینبؑ تمھارا دورِ مصیبت ہوا تمام
دیکھے نئے ستم نئے صدمے اٹھائے ہیں
جنّت سے آج ہم تمھیں لینے کو آئے ہیں
یہ خواب دیکھ کر دلِ زینبؑ تھا شادماں پڑھ کر فریضۂ سحری اٹھّی ناگہاں
عابدؑ سے اپنا خواب یہ جاکر کیا بیاں (۲۸) سن کر جسے جناب کے آنسو ہوئے رواں
فرمایا گرد فوج کے سنگین پہرے تھے
پہلی اسیری میں بھی یہیں آکے ٹھہرے تھے
کہنے لگی یہ فضہؑ سے زہراؑ کی نورِ عین ہے وہ درختِ تعز یہیں پر بے زیب و زین
لٹکا رہا تھا شاخ میں جس کے سرِ حسینؑ (۲۹) لے چل وہاں مجھے پئے خاتونِ مشرقین
پھر تازہ داستانِ مصیبت کروں گی میں
اے فضہؑ اس شجر کی زیارت کروں گی میں
آئی شجر کے پاس جو زینبؑ جگر فگار دیکھا نشاں لہو کے ابھی تک ہیں آشکار
بھائی کے اپنے خوں کی مہک پائی ایک بار (۳۰) روئی لپٹ لپٹ کے شجر سے وہ سوگوار
نالے وہ تھے کہ جن سے زمیں تھرتھراتی تھی
آواز ہائے ہائے کی تا دور جاتی تھی
اک باغبان نکلا صدا سن کے باغ سے دستِ جفا پسند میں تھا بیلچہ لیے
زینبؑ کے فرقِ پاک پہ مارا لعین نے (۳۱) تھے جان کےغریب کی لالے پڑے ہوئے
صدمہ وہ پہنچا فاطمہؑ کی نازنین پر
بے ہوش ہوکے گر پڑی زینبؑ زمین پر
فضہؑ یہ حال دیکھ کے اٹھّی بصد بکا دیکھا تمام جسم ہے ٹھنڈا پڑا ہوا
رنگت ہے زرد نبضوں میں جنبش نہیں ذرا (۳۲) سجادؑ کو پکاری وہ آفت کی مبتلا
جلد آیئے جہان سے بی بی گذر گئیں
مجھ کو تباہ وادی غربت میں کر گئیں
سجادؑ آئے لاشۂ زینبؑ پہ اشک بار فرطِ الم سے دل کو نہ پہلو میں تھا قرار
غسل و کفن پھوپھی کو دیا کھود کر مزار (۳۳) ہنگامِ دفن کہتے تھے رو رو کے بار بار
تم آگئیں مزار میں سونے کے واسطے
ہم رہ گئے جہان میں رونے کے واسطے

اب کون ہے جو کام مصیبت میں آئے گا
اب کون ہے جو ہمت بیکس بندھائے گا
اب کون ہے جو دردِ اسیری بٹائے گا
اب کون اپنے ساتھ سوئے شام جائے گا (۳۴)
جب تک جئیں گے اشکوں سے دامن بھگوئیں گے
ہم صبح و شام آپ کی غربت پر روئیں گے

تیار کرکے تربتِ زینبؑ بحالِ زار
یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے سجادِؑ نامدار
اے خاک ابوترابؑ کی دولت سے ہوشیار
ہاں اے زمیں امانتِ زہرؑا نگاہدار (۳۵)
صدیوں پہ صدمے شام وسحر دیکھے بھالے ہے
کنبے کو رونے والی یہ تیرے حوالے ہے

فضہؑ کو پھر پکارے یہ بیمارِ کربلا
اُٹھئے مزارِ پاک سے پڑھ لیجے فاتحہ
درپیش اب سفر ہے یہاں سے مدینے کا
کرنا تھا جو فریضہ ادا وہ تو ہوچکا (۳۶)
ظاہر میں مجھ کو شام کا لشکر ہی لایا تھا
کرنے کو دفن میں پھوپھی امّاں کو آیا تھا

یہ سُن کے خوب روئی وہ زینبؑ کی سوگوار
عابدؑ مُصرِ ہوئے تو پکاری جگرفگار
اے وارثِ حسینؑ کنیز آپ پر نثار
سینے میں دل تڑپتا ہے کہیے نہ بار بار (۳۷)
غربت میں رخ نہ دخترِ زہرؑا سے موڑوں گی
تم جاؤ میں نہ تربتِ زینبؑ کی چھوڑوں گی

ناچار ہو کے چل دیئے عابدؑ بچشمِ زار
پہنچے قریبِ فوج جو سجادِؑ نامدار
شامی پکارے جلد ہو اب اونٹ پر سوار
فرمایا بس اب اور نہ کچھ کہنا زینہار (۳۸)
جس کام کو میں آیا تھا وہ کام ہوچکا
مرقد بنا چکا پھوپھی امّاں کو رو چکا

لے جائے سوئے شام جسارت کسی میں ہے
یہ حوصلہ یہ تاب یہ طاقت کسی میں ہے
اب پھر کرے اسیر یہ قوت کسی میں ہے
ہاتھ اس طرف بڑھے کوئی ہمت کسی میں ہے (۳۹)
اپنی پھوپھی کا سوگ وطن میں منائے گا
اب شام میں حسینؑ کا نائب نہ جائے گا

یہ کہہ کے آپ ہوگئے غائب بصد شرف
منھ دیکھتے ہی رہ گئے اعدا بنائے صف
پہنچے مدینے میں تو بچھائی عزا کی صف
اک شورِ آہ و گریۂ و ماتم تھا ہر طرف (۴۰)
کھاتے تھے پیٹ بھر کے نہ سجادؑ سوتے تھے
اپنی پھوپھی کو بابا کو دن رات روتے تھے

فضہؑ کے انتقال پہ بھی ہو سکا نہ صبر اعجاز سے پہنچ گئے عابدؑ بنائی قبر
چاہا بہت مگر نہ ہوا ناتواں سے جبر (۴۱) تڑپے مثالِ برق تو روئے مثالِ ابر
نزدیکِ بے دیار ہی یہ بے دیار ہے
پائینِ قبرِ دخترِ زہراؑ مزار ہے

فرماتے تھے یہ عابدؑ بیمار و دل حزیں اے کاش اپنی قبر بھی ہوتی یہیں کہیں
تم بھی مزارِ زینبؑ مضطر سے اٹھ گئیں (۴۲) اب ہم بھی جا رہے ہیں مجاور کوئی نہیں
کیا بے کسی برستی ہے دل ڈوبا جاتا ہے
رہ رہ کے یہ خیال برابر ستاتا ہے

اب رونقِ مزار کا ساماں کرے گا کون اشکوں سے اہتمامِ چراغاں کرے گا کون
اب رات دن تلاوتِ قرآن کرے گا کون (۴۳) پردیس میں غریب پہ احساں کرے گا کون
اب کون جان و دل کو یہاں آ کے وارے گا
بالوں سے کون تربتِ زینبؑ بہارے گا

شہزادیِ نجف پہ جو موتی لٹائے ہیں ایسے گہر جہاں میں کسے ہاتھ آئے ہیں
بیمارِ کربلا کے تصدّق میں پائے ہیں (۴۴) جرارؔ نے مرض میں بھی جوہر دکھائے ہیں
گوڑ گاؤں جا کے رہ کے سول ہسپتال میں
یہ بند لکھے زینبؑ و فضہؑ کے حال میں

دبیرؔ کے مرثیے
(جلد ششم)
زیرِ طبع
اصغر مہدی اشعر

دبیرؔ کے مرثیے
(جلد پنجم)
زیرِ طبع
اصغر مہدی اشعر

دبیرؔ کے مرثیے
(جلد چہارم)
شائع ہوگئی ہے
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رثائے عقلی

عادل مختار

مرثیہ، شاعری ہونے کے اعتبار سے، جس طرح محض تاریخ نہیں اسی طرح یہ فلسفہ، کلام، عقائد، اخلاق، عرفان یا سیاست کا مبلّغِ محض بھی نہیں بلکہ مرثیہ، جو اس وقت عالمِ ادب کی بڑی اصناف میں سے ایک ثابت اور مسلّم صنف ہے، ان تمام شعبہ ہائے علوم وفنون سے استفادہ کرتے ہوئے بھی ان سب سے ماوراایک مختلف زبان کی تخلیق کا مرکز اور ایک بالکل الگ علاقۂ فکر ہے۔

کربلا کے ساتھ احساس، عقیدت اور جذبات کی بنیاد پر مرثیہ نگار، سامعین اور قارئین کی وابستگی شانِ عمومی کے ساتھ وجود رکھتی مگر مختلف ادوار، مختلف ماحول اور مختلف حالات میں مختلف المزاج مرثیہ نگاروں کا اپنے مخصوص تعقّل اور فہم کی بنیاد پر مرثیہ کی تخلیق اور اس میں نئی جہتوں کا اضافہ کرنا یہ جذبات سے زیادہ دائرۂ فکر کے مختلف زاویوں کی بنا پر ہے۔

صورتِ واقعہ یہ ہے کہ اگر ایک طرف مرثیہ بطورِ صنف مجموعی طور پر الگ علاقۂ فکر ہے تو دوسری طرف ایک ہی صنف کا شاعر ہوتے ہوئے بھی تمام مرثیہ نگار موضوع کے ساتھ جذباتی، عقیدتی، اور احساس پر مبنی وابستگی رکھتے ہوئے بھی مختلف زاویہ ہائے تعقّل کی رُو سے اپنا ایک الگ دائرۂ فکر وفن قائم کرتے ہیں۔ اس طرح رثائی ادب کربلا کے واقعہ کے ساتھ ایک مضبوط سر رشتۂ احساس کے ہوتے ہوئے تعقّل، فہم اور رویوّں کے اعتبار سے ایک متنوّع ادب ہے۔

اگر دقّت کی جائے اور اس فن کے مجتہدین کے نظریات کو انھیں کی آرا سے کشید کیا جائے تو واضح ہوگا کہ رثائی ادب کا یہ تنوّع اصل میں ان تمام تخلیق کاروں کے رثاء سے متعلق الگ الگ تعقّل کے سبب اور کربلا کے واقعہ پر ان کے مختلف النّوع ردِّعمل کی بنا پر ہے۔ وگرنہ لغوی اور عمومی طور پر مرثیہ کی جو تعریف موجود ہے وہ، غزل کی طرح، موجودہ مرثیے کی کسی بھی طرح کفایت نہیں کرتی۔ اور یہ بات ثابت کرتی ہے کہ مرثیہ کسی ایک روش کا نام نہیں اور نہ ہی یہ کوئی جامد یا تکراری شے ہے بلکہ اس میں بھی اجتہاد کا دروازہ روزِ اوّل سے کُھلا ہوا ہے اور کُھلا رہے گا اور ولی دکنی سے دورِ حاضر تک کے اردو رثائی ادب کا متنوّع سرمایہ خود اس پر گواہ ہے۔ مرثیے کو اس کی تاریخ کے آئینے میں کبھی بھی ایک خطِ راست کے طور پر مطالعہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے تنوّع کے باعث اس کے ارتقاء ایسے موضوع کا مطالعہ بھی کثیر الجہتی حرکیات کی سطح پر کرنا پڑیگا۔ مرثیے میں سانحۂ کربلا پر ردِّعمل کی جملہ اقسام میں سے ایک انتہائی سنجیدہ قسم ''رثائے عقلی'' ہے۔

عام طور پر فضائل کے بعد مرثیے کو ''مرثیہ'' ثابت کرنے کے لیے ذکرِ مصائب پر مشتمل روایاتِ عزا یا بین نظم کیے جاتے ہیں۔ اور اس

حصّہ میں مرثیہ نگار کی کوشش ہوتی ہے کہ ذکرِ مصائب میں جہاں تک ہو سکے گریہ و بکا ایسے ردِّ عمل کا بھرپور طریقے سے اظہار ہو۔ مرثیے میں یہ ہدف اصل میں کربلا کے ساتھ جذباتی وابستگی کو بروئے کار لا کر حاصل کیا جاتا ہے۔ مگر رثائے عقلی کی رُو سے صرف مصائب یا دردناک شہادت اور اس کے ذکر کے نتیجے میں گریہ ہی رثاء سے متعلق نہیں بلکہ یہ ان تمام مصائب کی وجوہ اور ان کے اسباب فراہم کرتی ہوئی فضا کو متصوّر کرتے ہوئے اس کی ٹھوس تشکیل کے بعد قاری یا سامع سے گریہ کے علاوہ تحیّر، ہیبت، کراہت، خوف، سکتہ اور اسی قبیل کے دیگر ردِّ عمل کی متقاضی ہوتی ہے۔

رثائے عقلی روایاتِ عزا کو بیانیہ انداز میں رقم کرنے کی بجائے روایات کی سطور میں مجہول، مگر اپنے مقام پر ثابت، حقائق کو درک کرنے کے بعد قوّتِ تخلیق کے ذریعے انھیں منصۂ معلوم تک لانے کا عمل ہے۔ اس عمل کے پہلے مرحلے میں شاعر کی خلاّقیت اپنے لیے ایک چیلنج وضع کرتی ہے اور دوسرے مرحلے میں اس چیلنج کو پورا کرنے کے لیے فنّ اور فکر کی بالیدگی کو بھرپور طریقے سے بروئے کار لا کر موضوع کی تفصیل کے دوران خود شاعر کے اس موضوع کے ساتھ تعلق کو بھی واضح کرتی ہے کہ ایک مرثیہ نگار کا مرثیے کے موضوع کے ساتھ لسانی مہارت سے زیادہ شدّتِ فکری کا رشتہ ہوا کرتا ہے۔

رثائی عقلی کا عمل انتہائی سنجیدگی کا متقاضی ہوا کرتا ہے۔ اس عمل میں عمداً صنائع بدائع، جو عموماً لسانی مہارت کا اظہار ہیں، کا بے تحاشا یا پُر تکلّف استعمال کہ جس سے بیانیے کے ابلاغ میں رکاوٹ ہو، ہرگز روا نہیں۔

اسی طرح رثائے عقلی کے اعتبار سے مرثیے کی طوالت کی بجائے مرثیے کا ابتدا سے آخر تک Organic ہونا معیار ہے۔ یہ عمل مرثیہ نگار کی خلاّقیت، فکر اور فن کو عنوان سے لے کر آخری بیت تک ایک ہی نکتے پر مجتمع رکھ کر اسے مرثیے کی طوالت و اختصار سے بے نیاز کر دیتا ہے اور فقط موضوع کے حوالے سے فکری استعداد کے لحاظ سے ایک متناسب پھیلاؤ وجود میں لے کر آتا ہے۔

رثائے عقلی اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ مرثیہ کے کردار کے مصائب اس کے ذاتی مصائب نہیں اور نہ یہ کسی ایک عہد تک محدود ہیں بلکہ یہ تمام ادوار اور وجود کے دوائر سے متعلق مصائب ہیں۔ یہ زمانے کی تمام جہتوں میں موجود درد اور آلام کا انکشاف کرتی ہے۔ کیا ہوا اور کیوں ہوا؟، کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے؟ اور کیا ہوگا اور کیونکر ہو سکتا ہے؟، رثائے عقلی ان سوالات کی جانب فکر کو مبذول کرواتی ہے۔

یہ کہنا کہ مرثیہ کسی مردے کے وصف بیان کرتی ہوئی نظم ہے یہ مرثیے کو انتہائی خطرناک حد تک محدود کرنے کے مترادف ہے۔ رثائے عقلی کے دائرہ کار میں موضوع (کردار) کی شہادت ایک مرکزی امر ہے مگر اس کا مفصّل ذکر، اتمام و اکمال یا واحد غایتِ رثاء نہیں۔ جب رثائے عقلی کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے تو مرثیے کے کردار کے مصائب اس سے متعلق ہر شے پر اثر انداز دکھائی دیتے ہیں چاہے وہ کوئی عہد ہو یا اس سے فکری اور عملی طور پر وابستہ کوئی بھی فرد یا گروہ ہو۔ لہٰذا مرثیے کردار سے متعلق عہد یا گروہ کا مرثیہ بھی اسی کردار کا مرثیہ ہوگا۔

یہی سبب ہے کہ رثائے عقلی تمام ادوار اور ان کے مصائب کو ایک نقطۂ ارتکاز عطا کر کے مرثیے کے کردار، مرثیہ نگار اور حتیٰ کہ سامع کو بھی ایک ہی طرح کے مصائب سے متأثر ہونے کا احساس دلا کر ان مصائب سے متعلق ان کے ردِّ عمل کی تشکیل کرتی دکھائی دیتی ہے۔ مزید برآں رثائے عقلی، تقدیر، قسمت اور لوحِ محفوظ کی تحریر کی بجائے فکری اور عملی اعتبار سے مصائب کے خالصتاً انسانی (تاریخی، تہذیبی، ثقافتی، سیاسی

اورنفسیاتی) اسباب کوموضوع بناتی ہے اورخلاّقیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان اسباب کی دستِ تخلیق سے فضابندی کے بعد ایک قاری یا سامع کوایک روحانی تجربہ سے گزارتی ہے۔

عقلی رثاء جس تجربے کی تخلیقِ مکرّر کرتی ہے وہ روحانی یا فکری تجربہ مصائب،شہادت اوران کی وجوہ پر،سکتہ،حیرت،صدمہ،اوراستعجاب پر مشتمل ردِعمل سے عبارت ہوتا ہے۔اس طرح رثائے عقلی بجائے جذباتی یا تطہیری کے،ایک تجزیاتی مزاج کی حامل رثاء ہے۔عام یا جذبات کوابھارنے والے مرثیے میں جاں سوز مصائب اور بین کے بعد یا کربلا کے سانحات کے ذکر پر مرثیے کا اختتام ہوتا ہے۔اس کے علاوہ انقلابی طرز کے مرثیے کا اختتام بھی عموماً ذکرِ مصائب پر ہی ہوتا ہے جس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ایک آغاز کا انجام ہوا،ایک بات مکمّل ہوئی یا شہادت کی صورت میں ایک ابتلا کا انتہا پر پہنچ کے اختتام ہوا۔مگر رثائے عقلی ماقبلِ شہادت اور مابعدِ شہادت تمام تر ماجرا نا کی اور ستیزہ کاری کوسامنے رکھتے ہوئے ایک اختتام کی جگہ مرثیے کے آخر میں ایک نئے آغاز کا عندیہ دیتی ہے۔

رثائے عقلی شہادت یا مصائب کی انتہا پر بھی کشمکش،ستیز اور اختلاف اور تضاد کی فضا کوقائم رکھتی ہے۔یہ بارِمصائب میں بھی ارادۂ عمل کو ظاہر کرتی ہے اور جہد کے تسلسل کو برقرار رکھتی ہے۔مگر اس حوالے سے اس کا محلِ وقوع خارجی نہیں باطنی ہوتا ہے۔ جذبات کو پُرجوش کر کے اور ان کی تطہیر کرنے سے نہیں بلکہ رثائے عقلی ایک ایسی جمالیاتی قوت کا اظہار کرتی ہے کہ جس سے سامع ،انقلابی مرثیہ کے برعکس،خارج کے انتشار کی جگہ باطن میں موجود کی ناگواری سے نبرد آزما ہوتا ہے۔رثائی عقلی کامیابی رونے اور رلانے یا خارج میں میدانِ ستیز میں کود جانے کی ترغیب میں نہیں بلکہ تعقّل کی بنا پر ابتلا کی اصل نوعیت کے ادراک اوراس میں اہلِ شہادت کے حُسنِ اختیار کو جمالیاتی سطح پر تخلیق کرنے میں ہے۔یہ صورتِ واقعہ کے ادراک اور تجزیے کے بعد سررشتۂ فکر وعمل میں تناؤ کوانتہا پر پہنچا کر مرثیے کومکمّل کرتی ہے کہ جس سے اِس مقام پر پہلے خود مرثیہ نگاراوراس کے بعداس کا سامع ایک ماجراناک تعمیل کے لیے خود کو معقول سطح پر مسئول محسوس کرتا ہے۔

❀❀❀❀

اشاریۂ دبیرؔ
زیرِطبع
ترتیب وتدوین
اصغرمہدی اشعر

ابرؔ جون پوری کے مرثیے
زیرِطبع
ترتیب وتدوین
اصغرمہدی اشعر

فرہنگِ مونسؔ
زیرِطبع
ترتیب وتدوین
اصغرمہدی اشعر

شاعر وسوز خواں اخترؔ زیدی

پروفیسر ضمیر حیدر

سجدہ شکر کر رہا ہے ادا چھپ گیا ہے کلام اخترؔ کا
شاعرِ اہلِ بیتؑ ہے جب سے تو عرش پر ہے مقام اخترؔ کا

بعد از تلاوتِ کلامِ الٰہی مجلسِ عزا کا دیباچہ سوزخوانی ہے، اس فن متعلق علی احمد دانش لکھنوی کا ایک مفصل مضمون ''رثائی ادب'' کے شمارہ نمبر ۱۳ میں پڑھا شہید سبطِ جعفر زیدی کی معرکہ آرا کتاب ''صوتی علوم وفنونِ اسلامی'' پڑھی ابھی حال ہی میں ہر دل عزیز شخصیت ڈاکٹر عقیل عباس جعفری کی انعام یافتہ کتاب ''سوزخوانی کا فن'' کا مطالعہ کیا ان کتابوں سے معروف اور گمنام سوزخوانوں اوران کے مختلف گھرانوں سے مخصوص طرزِ سوزخوانی کے متعلق آ گاہی ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تقریباً ہر صاحبِ فن کے آبا واجداد مختلف علاقوں سے ہجرت کر کے ہندوستان آباد ہوئے اور ایک طویل عرصہ برصغیر میں قیام کے بعد ایک مرتبہ پھر نئے ملک کی طرف ہجرت ہوئی اور یہ ہجرت بہت پر تشدد اور خونی تھی جس نے خاندان کے خاندان اجاڑ دیئے نئے ملک میں آ کر ماں باپ بہن بھائی رشتے دار عزیز واقارب ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، ہندوستان کے بعض علاقے ایسے بھی ہیں کہ اب بھی آدھا خاندان وہاں اور آدھا پاکستان میں میں آباد پھر یہاں آنے والے لوگ بھی روزگار کی تلاش میں پاکستان کے مختلف صوبوں اور شہروں میں آباد ہو گئے مگر جہاں بھی رہے، وہاں اپنے وطن کی طرز پر مجالسِ عزا کا اہتمام کیا، چاہے وہ علاقے اس ترتیبِ مجلسِ عزا سے واقف ہوں یا نا ہوں ہندوستان کے ہر علاقے میں مجلسِ عزا کا ایک جز وتحت خوانی اور سوزخوانی بھی ہے، جب کہ پاکستان کے شہروں، قصبوں، دیہاتوں کے مقامی لوگ تحت خوانی اور سوزخوانی سے واقف نہیں مگر ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین نے مالی مشکلات کے باوجود فروغ عزائے حسین علیہ السلام میں اہم کردار ادا کیا۔

ایسا ہی ایک خانوادہ جو ایران سے آ کر ضلع فتح پور ہسوہ بھارت کے صوبے اتر پردیش بھیرہ سادات میں آباد ہوا، اور عزائے حسین علیہ السلام میں مصروف ہوا، اسی خاندان کے ایک شاعر وسوز خواں سید اخترؔ حسین زیدی ابن سید اشتیاق حسین زیدی ابن عاشق حسین زیدی مرحوم ہیں جو ۲۲ جوالائی ۱۹۲۲ء کو بھیرہ سادات میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اسی علاقے میں ہوئی ۱۹۳۸ء میں والد گرامی کے انتقال کے بعد وہ تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکے خاندان کا معاشی مشکلات میں ہاتھ بٹانے کے لیے اپنے عم زاد بھائی سید اطہر حسین کے ایما پر آگرہ آ کر ریلوے میں ملازم ہو گئے، اس زمانے میں تحریکِ آزادی زوروں پر تھی آخر کار ہندوستان دو حصوں میں بٹ گیا اور پاکستان قائم ہو گیا، اخترؔ زیدی اپنے خاندان کے ساتھ ستمبر ۱۹۴۷ء کو لاہور آ گئے، یہاں ایک نجی کمپنی میں ملازمت اختیار کی مگر جلد ہی کراچی آ کر قسمت آزمائی کی پھر یہاں سے اکتوبر ۱۹۴۹ء میں کوئٹہ منتقل ہو گئے یہاں قسمت نے یاوری کی اور ملٹری انجینئرنگ سروس میں مستقل ملازمت مل گئی اور تیس برس کی ملازمت

کے بعد ۱۹۸۲ء میں ریٹائر ہوئے، یہاں ساری زندگی کوئٹہ میں قائم امام بارگاہ ناصرالعزا میں پرخلوص سوزخوانی کے فرائض سرانجام دیے اس کے علاوہ اثرؔ جلیلی اور پروفیسر سردارؔ نقوی کی قائم کردہ مجالسِ مرثیہ میں بھی فنِّ سوزخوانی کے جوہر دکھاتے رہے، ان کی سوزخوانی وشاعری کے مداحین میں تابشؔ دہلوی، پروفیسر سردارؔ نقوی کلیم آلِ عبا شاہدؔ نقوی، شاعرحسینیتؑ قیصرؔ بارھوی، کوثر آلہ آبادی وحیدِ مودّت وحیدؔالحسن ہاشمی، سیّد سبطِ حسن انجمؔ، اثرؔ جلیلی، کوثرؔ نقوی، محشرؔ لکھنوی، اور پروفیسر سید شرافت عباس و دیگر شخصیات شامل ہیں۔ اخترؔ زیدی اپنی شاعری اور سوز خوانی کے شوق کا اظہار اپنے ایک حمدیہ قطعہ میں یوں اظہار کرتے ہیں:-

سوز خوانی سے بنا دیا شاعر مہرباں کارساز ہے مجھ پر
کل مقدر پہ فخر تھا مجھ کو آج قسمت کو ناز ہے مجھ پر

اپنے فن سوزخوانی کی ابتدا میں اپنے والدگرامی کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں

بزم میں اپنی جگہ آپ بنائی میں نے ہم نشیں دولتِ بیدار یہ پائی میں نے
سوزخوانی میرے والد نے سکھائی مجھ کو سیکھ لی محفلوں سے مدح سرائی میں نے

اخترؔ زیدی اپنی شاعری کے پس منظر میں اپنی والدہ محترمہ تمیز النسا بنت سید علی عباس مرحوم کی محبت سے کی گئی تربیت کو یوں یاد کرتے ہیں

شرابِ حُبِّ علیؑ پی تھی میں نے بچپن میں پکارتا تھا علیؑ کو ولی ولی کہہ کر
یہ میری ماں کا ہے احساں مجھے سلانے کو سنایا کرتی تھیں لوری علیؑ علیؑ کہہ کر

شاعری:

سوز خوانی کرتے کرتے شعر بھی کہنے لگا یہ بھی اک رونے رلانے کا صلہ ہے بر ملا
دل میں حُبِّ علیؑ سینے پہ ہیں ماتم کے داغ میرے اندر ہے نجف اور میرے اندر کربلا

اور اپنی شاعری کا محور قطعات نگاری ہی کو بنانے کے لیے دلیل میں قرآن مجید کے ایک سورے کا حوالہ دیتے ہوئے یوں گویا ہوئے

مختصر ہو بات مگر جامع ہو رات دن اس فکر میں رہتا ہوں میں
سورۂ کوثر کو رکھ کر ذہن میں چھوٹی چھوٹی بحر میں کہتا ہوں میں

گردشِ روز و شب میں ذکرِغیر کو شاعر خاطر میں نہیں لاتا اور کہتا ہے

میری فکرِ سخن ہے اور میں ہوں میری اک انجمن ہے اور میں ہوں
میری دنیا میں ذکر غیر کیوں ہو حصارِ پنجتنؑ ہے اور میں ہوں

اپنی اس فکرِسخن کو اخترؔ زیدی اپنے نامہ اعمال کے لکھنے سے تشبیہ اس طرح دیتے ہیں کیونکہ معصوم علیہ السلام کا یہ قول ان کی نظر میں ہے کہ ’’خدا مدح محمدؐ و آل محمدؐ میں کہی جانے والی ایک بیت کے بدلے جنت میں ایک گھر عنایت فرمائے گا۔

ثنائے پنجتنؑ ، مدحِ ائمہؑ لکھے جاتا ہے خامہ لکھ رہا ہوں
ہٹو کاندھوں سے میرے اے فرشتوں میں خود اعمال نامہ لکھ رہا ہوں

ایک رُخ اور ملاحظہ فرمائیں

ڈھل گیا میرا نامۂ اعمال اتنی جلدی کہ چشم تر نہ ہوئی
یہ جو بیٹھے ہوئے ہیں کاندھے پر
ان فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی

مودّتِ اہلِ بیت سے سرشار اخترؔ زیدی جناب جبریل علیہ السلام سے یوں گویا ہیں:-

مدح خوانی کے لیے مل گیا منبر مجھ کو آئیں جبریلؑ مودت کی میری حد ناپیں
مدحتِ حضرتِ شبیرؑ میں کرتا ہوں شروع یا علیؑ بھیجیے قنبر کو مرا قد ناپیں

ایک اور قطعے میں شاعر غلامی حضرت شبیر علیہ السلام کی سند حاصل کرنے کا طریقہ یوں بیان کرتا ہے:-

ولائے پنجتن سے قلب کی تطہیر تو کرلیں دلوں میں اپنے اک قصرِ وفا تعمیر تو کرلیں
غلامی کی سند ہم کو مل جائے گی اخترؔ ابھی ہم خود کو شایانِ غمِ شبیرؑ تو کرلیں

قارئینِ کرام اس مقام پر یہ عرض کردوں کہ میری معلومات کے مطابق سراپا پیکر، شرافت، پیروِ مذہبِ صداقت، خوش عقیدہ خوش نہاد، خوش اطوار وخوش کردار، خوش سخن وخوش گفتار، نیک دل، پارسا، نیک سیرت یعنی جناب سید اخترؔ سوزخوان وشاعر دنیاوی جاہ وجلال یا ملک ومال نہیں رکھتے تھے، بلکہ اپنی شانِ قنبریِ وفقر بوذری پر نازاں تھے اور نہ ذاتی تشہیر کے خواہاں تھے، اپنی سائیکل پر تین چار میل کا سفر طے کر کے امام بارگاہ ناصرالعزا پہنچتے تھے، کوئٹہ کی سخت سردی بھی انھیں پابندیِ وقت کے ساتھ جنابِ فاطمہ زہرا صلوت اللہ علیہا کو پرسہ دینے کے لیے نہیں روک سکتی تھی، اپنی اسی خدمت کو سرانجام دینے پر وہ اپنے آپ کو بڑا دولت مند سمجھتے تھے جس کا اظہار درج ذیل قطعے میں اپنے سامعین کو اپنے ساتھ شامل کر کے یہ قطعہ سنایا کرتے تھے، ملاحظہ ہو

عبث نہیں ہیں یہ آنسو جو ہم بہاتے ہیں جنابِ فاطمہؑ کا اعتبار ہیں ہم لوگ
ہماری آنکھ سے لال و گہر برستے ہیں قسم خدا کی بڑے مالدار ہیں ہم لوگ

شب عاشورہ امام حسین علیہ السلام کی وسعت نظر کا احاطہ اس قطعہ میں ملاحظہ ہو، شاعر نے کس خوب صورتی سے ضرب المثل کو نظم کیا ہے

جز ایک رات کی مہلت حسینؑ نے دی تھی اسی میں حرؑ نے خود اپنا مآل ڈھونڈھ لیا
امامؑ وقت کا تارِ نظر کہاں پہنچا گہر شناس گدڑی میں لال ڈھو لایا

جنابِ حر علیہ السلام کی مدح میں یہ قطعہ ملاحظہ فرمائیں، کیا خوب صورت قافیے نظم ہوئے ہیں،

ہیں جو غوّاضِ طبیعت انھیں دُر ملتے ہیں　　شاعری میں انہیں ہر طرح کے گر ملتے ہیں
فکر کی آخری منزل سے بھی بالا ہیں حسینؑ　　فکر کی آخری منزل پہ تو حرؑ ملتے ہیں

کربلا کا پردرد منظر حضرت شہزادہ علی اکبر علیہ السلام کے حال میں ملاحظہ ہو۔

خود چھری ہاتھوں سے پھیرے اور قربانی کرے　　عیدِ قرباں کے لیے یہ حکم عالمگیر ہے
کربلا یاد آئے بسمل کو تڑپتا دیکھ کر　　آنکھ پر پٹی نہ ہو یہ سنتِ شبیرؑ ہے

سیّد اخترؔ حسین زیدی کے دو مجموعہ کلام شائع ہوئے پہلا شعری مجموعہ ''ضیائے اخترؔ'' جسے ادارہ تقدیسِ قلم کراچی پاکستان نے ۱۹۹۷ء میں شائع کیا، اس کتاب کا سرِ ورق معروف شاعر و مرثیہ گو جناب یداللہ حیدر صاحب نے بنایا اور اس میں قطعات درج ہیں، کلیم آلِ عبا شاہدؔ نقوی نے اس کتاب کے لئے تاریخی قطعہ کہا ملاحظہ فرمائیں

طوافِ کعبۂ عشقِ علیؑ میں رہتا ہوں　　نہ میری فکر ارادی نہ اپنی ذات کا شوق
ضیائے عرشِ مودت ضیائے اختر ہے　　صریر خامہ نہ ہو کیوں یہاں نوائے سروش

۱۹۹۷ء

اس قطعے کے بعد اس مجموعے میں شامل اپنے ''تاثرات'' میں سوزخوانی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں

''میری معلومات کی حد تک کوئٹہ کے واحد سوزخواں ہیں (کم از کم اردو میں) پختہ مشق ہونے کے سبب بلا شرکت غیرے سوز بے تکلف پڑھ لیتے ہیں، طرزوں کی دلآویزی، لہجے کا مناسب زیر و بم، لفظوں کا صحیح تلفظ اور انتخابِ کلام یہ تمام صفات مل کر آپ کی سوزخوانی کو اتنا متاثر بنا دیتے ہیں''

شاہدؔ نقوی متاثر کن سوزخوانی کے بعد اخترؔ زیدی کی عزائی خدمات کا اعتراف کرتے ان لفظوں میں فرماتے ہیں،

''اخترؔ صاحب کے شغف کا یہ عالم ہے کہ کوئٹہ میں ذکرِ اہلِ بیتؑ میں کوئی محفل یا مجلس ایسی نہیں ہوتی جس میں یہ شرکت نہ کرتے ہوں بلکہ مجلس کے تمام لوازم کا صاحبِ مجلس کی طرح اور بیشتر صاحبِ مجلس سے بھی زیادہ اہتمام و انتظام نہ کرتے ہوں، قطعات نگاری کے متعلق شاہدؔ نقوی کا بیان بھی ملاحظہ ہو''ان کے قطعات کی سلاست، بے ساختگی اور زبان و فکر دونوں کی عام فہمی سادگی اور ابلاغ میں حارج نہیں ہوتی''

شاعرِ حسینیتؑ قیصرؔ بارہوی مرحوم قطعات نگاری کے متعلق اپنا اظہارِ خیال یوں فرماتے ہیں

''اخترؔ صاحب قطعات سے سلسلہ ارتقائے فکر کو قطع نہیں کرتے بلکہ ارتقائی طبیعت برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں، شاعری کا حسن، محاوراتی اسلوب، مکالماتی صلاحیت، خیال آفرینی، مناسبات لفظی، اور بہتر اظہار مافی الضمیر پر منحصر ہے یہ تمام خوبیاں اخترؔ صاحب کے کلام میں پائی جاتی ہیں'' (۲۵ جولائی، ۱۹۹۵ء)

وحیدِ مودّت وحیدؔ الحسن ہاشمی نے اس مجموعے پر مفصل تنقیدی مضمون تحریر کرنے کے بعد تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے،

اخترؔ زیدی کا تمام کلام ایسی خوش رنگینوں سے، خوش بیانیوں اور خوش نگاریوں سے بھرا پڑا ہے، حرفِ معرفت کا نگینہ ہر لفظ عقیدت کا دُرِ شہوار ہے اور ہر مصرعِ گلِ تر کا عکاس ہے، اہلِ مودت ان سے محظوظ ہونگے، اور کورِ باطن ان میں سے کیڑے نکالیں گے، معروف تحت خوان وشاعر جناب سبطِ حسن انجمؔ مرحوم نے اپنا ناقدانہ تبصرہ یوں تحریر فرمایا ہے

''اخترؔ صاحب کے کلام سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ نا تو انہیں شاعری ورثے میں ملی اور نہ ہی ایسا شاعرانہ ماحول ملا جس میں مشقِ سخن کے تقاضے پورے ہوتے انہیں جو کچھ ملا محافل ومجالس کے وسیلے سے ملا جس کے یہ لڑکپن سے مانوس اور عادی ہیں، جب شعر فہمی کا تھوڑا بہت شعور پیدا ہوا تو طبعیت خود بخود شعر گوئی کی طرف مائل ہونے لگی، یہاں تک کہ مداحِ اہلبیتؑ کی سعادت حاصل ہوگئی کوثرؔ الہ آبادی جو اس مجموعۂ کے کاتب ہیں انہوں نے ''رباعیانہ قطعات'' کوموضوع بنا کر رباعی کی تعریف اور اوران کی پابندی کے بعد تیسرے مصرعے کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے

''یہ باتیں میں نے صرف اس لیے گوش گزار کیں کہ اخترؔ بھائی کے قطعات میں رباعی کی یہ اندرونی خوبی مکمل طور پر موجود ہے آپ ان کی کتاب ''ضیائے اخترؔ'' کو کہیں سے بھی کھولیں آپ کو ہر قطعے میں رباعی کا حسن نظر آئے گا ''ضیائے اخترؔ'' کے صفحہ نمبر ۲۹ سے قطعات کا آغاز ہے ہر صفحہ پر تین قطعات درج ہیں اس صفحے پر موجود قطعات مدحِ سرورِکونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں ہیں ملاحظ کریں۔

شکستہ چاند کو اس کے اثر کو دیکھا ہے — تھکی ہوئی اس کی سحر کو دیکھا ہے
مبالغہ نہیں عینی گواہ ہے اخترؔ — بس اتنی دور سے شق القمر کو دیکھا ہے
پیٹ پر اک نبیؐ نے باندھا تھا — فخر کرتے ہیں اپنی قسمت پر
ایک سے دوسرے کو ٹکرا کر — مسکراتے ہیں آج بھی پتھر

اس مجموعہ کے آخری صفحہ نمبر ۱۶۰ سے معلوم ہوا کہ شاعرِ حسینیتؑ قیصرؔ بارھوی مرحوم نے سید اختر حسین زیدی کے اس مجموعہ کلام پر اپنی زندگی کے آخری تاثرات قلم بند کیے

خواب دیکھا تھا اک جوانی میں — جس کی تعبیر اب ملی مجھ کو
ہے میرے ہاتھ میں کتاب میری — میری جاگیر اب ملی مجھ کو

نطقِ جبرئیلؑ دوسرا مجموعہ کلام ۲۰۰۴ء کو الحمد پبلی کیشنز لاہور سے شائع ہوا، گردوپیش پر کلیمِ آلِ عبا شاہدؔ نقوی اور شاعرِ حسینیتؑ قیصرؔ بارھوی مرحوم کے اقتباسات درج ہیں اس کتاب کی تقریظ پروفیسر سید شرافت عباس نے قلم بند کی ہے اور کتاب کی اشاعت میں جناب سید محمد جعفر زیدی، جناب حسن جاوید (روزنامہ جنگ) سیّد کاظم رضا کی معاونت اور کوششیں شامل ہیں

نطقِ جبرئیلؑ سے حمد یہ قطعہ،

میرے اک دوست کہ بیٹھے تھے جو میرے ہی قریب — مجھ سے کہنے لگے اللہ کو کیسے جانا
قطعہ لکھتا تھا وہیں رک گیا لکھتے لکھتے — رکھ کے کاغذ پہ قلم کہہ دیا ایسے جانا

نعت:

مختصر نعت ہے پیمبرؐ کی یہ خدائی میں سب سے اعلیٰ ہیں
جیسے آتا نہیں سمجھ میں خدا یہ بھی فہم و خرد سے بالا ہیں

اس قطعے کے بعد نعتیں، مناقب، سلام اور نوحہ مجموعے میں شامل ہیں منتخب قطعات ملاحظہ فرمائیں

تعارفِ ذاتی:

شاعری ، ذاکری ، اضافی ہے خود سمجھتا ہوں میں کہ میں کیا ہوں
مجھ کو شہرت کی کیا ضرورت ہے کیا یہ کافی نہیں کہ شیعہ ہوں

پہچان:

یہ دل کہہ رہا ہے کہ آلِ محمدؐ مجھے میرے شعروں سے پہچانتے ہیں
کوئی مجھ کو جانے نہ جانے بلا سے علیؑ جانتے ہیں تو سب جانتے ہیں

فلسفہ:

فلسفی فلسفے میں ڈوبا ہے ہوش میں آئے تب کہیں سمجھے
وہ خدا کو سمجھنے بیٹھے ہیں جو علیؑ کو ابھی نہیں سمجھے

فلسفۂ غم:

غمِ شبیرؑ ہے ہمارے پاس رب کا احسان ہم پہ کیا کم ہے
سنگ دل فلسفے کو کیا سمجھیں غم نہ ہونا بہت بڑا غم ہے

منطق:

یہ منطقی ہی بتائیں گے کیسی منطق ہے ابوترابؑ کو چھوڑا تراب پر سجدہ

سجدہ:

سوائے جبر مشیت ہے اور کیا اخترؔ کیا ہے فرض ہر اک شیخ و شاب پر سجدہ

مجلسِ شبیرؑ:

کشمکش ذہن میں ہوتی ہے خوشی اور غم کی مومنو مجلسِ شبیرؑ جہاں ہوتی ہے

کربلا ذہن پہ چھا جاتی ہے ہم لوگوں کے یہاں مسرت بہ اندازِ فغاں ہوتی ہے

نذرِ فاطمہ زہرا صلوٰت اللہ علیہا:

اشک خونی ہوں غمِ شبیرؑ میں فاطمہؑ کو نذر کرنا ہے مجھے
مرتے دم لب پر ہو یارب یا حسینؑ آبرو کی موت مرنا ہے مجھے

خاتونِ جنّت:

حشر میں پیشِ خدا گریہ کناں آتی ہیں فیصلہ سننے کو خاتونِؑ جناں آتی ہیں
اہلِ محشر یہ کوئی شام کا بازار نہیں بند آنکھیں کرو حسینؑ کی ماں آتی ہے

قارئینِ کرام سید اختر حسین زیدی کے کلام کو دیکھ کر میرے اس عقیدے کو پختگی نصیب ہوتی ہے کہ جہاں بھی ذکرِ محمدؐ وآلِ محمد علیہم السلام ہوتا ہے وہاں انوارِ مقدسہ تشریف لاتے ہیں، اور خود ذاکر کو داد اس کے علم اضافہ اور قلم میں روانی عطا فرما کر دیتے ہیں۔

میں اپنی بات کے ثبوت میں یہ دونوں مجموعے پیش کرتا ہوں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہ کلام محض عقیدت پر مبنی نہیں ہے، بلکہ ان قطعات میں علمِ تاریخ علمِ منطق علم فلسفہ، خصوصاً معرفتِ خدا اور رسولؐ وآلؑ رسولؐ کا برملا اظہار ملے گا فنی محاسن بھی کلامِ اختر میں جگہ جگہ ملیں گے، بہت سے قطعات میں تضمینیں بھی خوب ہیں صنعتِ ذوالسان سے بھی شاعر نے خوب کام لیا ہے، اس مختصر مضمون میں بہت زیادہ انتخاب کی گنجائش نہیں ہر قطعہ اپنے موضوع پر منفرد ہے چونکہ یہ ایک سوز خواں کا مجموعہ کلام ہے لہٰذا مصرعوں میں سوز، اور روانی بلا کی موجود ہے

لطف آئے گا روبروئے علیؑ یہ جسارت بھی کر دکھاؤں گا
اپنی ٹٹک بندیاں سنانے کو ایک دن قبر میں بھی جاؤں گا

بالآخر سید اختر حسین، زیدی ۷ جنوری ۲۰۱۴ء مطابق ۵ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ کو ۹۲ سال کی عمر میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

کہہ رہے ہیں فرشتے آپس میں قبر میں کس قدر اجالا ہے
ایسا لگتا ہے اس کے چہرے سے یہ بھی کوئی حسینؑ والا ہے

❀❀❀❀

غیر مطبوعہ مرثیہ ''نطق''

علی عرفانؔ

یا علیؑ ، مصدرِ کُن ، کون و مکاں کے داتا

تعدادِ بند۔۔۔۔۳۲

یا علیؑ ، مالکِ ابلاغ ، بیاں کے داتا یا علیؑ ، مصدرِ کُن ، کون و مکاں کے داتا
(۱) دیجے الفاظ مجھے فکرِ جواں کے داتا کیجے امداد مری ، نطق و زباں کے داتا
نطق پر بات کروں ہے یہ ارادہ مولا
ورقِ ذہن نہ میرا رہے سادہ مولا

نطق کا کام ہے اس فرق کی تبلیغ مدام فرق کرنا حق و باطل میں یہ ہے عقل کا کام
(۲) نطق احساس و تعقل کے ہے اک ربط کا نام نطق ہی تو ہے جو افکار کو دیتا ہے دوام
نطق محسوس کو معقول بنا سکتا ہے
اور معقول کو منقول بنا سکتا ہے

نطق ''لبیک'' بنا آئی جو '' ہل مِن'' کی صدا اک طرف نطق ''الست'' ایک طرف نطق ''بلا''
(۳) نطق سے نکلے ہیں منطق کے بھی سارے اجزا نطق سے ہوش و خرد نے بھی سدا کام لیا
نطق ہی سے تو ہوا کون و مکاں کا آغاز
ہُو کے ماحول میں ہے نطق ہی کُن کی آواز

نطق کے بارے میں حیدرؑ نے کیا ہے یہ مقال نطق ہی دیتا ہے انساں کو عروج اور زوال
(۴) تا سناتے رہیں وہ حکمتِ خالق کا حال نطق رکھا ہے عجائب میں خدا نے بہ کمال
یعنی تحمید کو ہے نطق کی دولت لازم
اور اگر نطق ہے ، پھر نطق میں حکمت لازم

شمع روشن بھی ہے ، اس شمع کا بجھ جانا بھی صدق گوئی بھی ہے نطق اور ہے افسانہ بھی
(۵) تجربے اپنے نئی نسل کو پہچانا بھی نطق شکوہ بھی شکایت بھی ہے شکرانہ بھی
نطق ہوتا نہ اگر ، سوچیے کیا ہو جاتا
جنگلوں غاروں میں انسان فنا ہو جاتا

نطق ہے فکر بھی اور فکر کی ترسیل بھی ہے　　نطق تجرید ہے تجرید کی تشکیل بھی ہے
نطق تقریر بھی ، تحریر بھی تمثیل بھی ہے　(٦)　نطق قرآن بھی توریت بھی انجیل بھی ہے
آلِ احمدؐ کو ذرا یوں بھی تو کوئی سمجھے
نقطہ قرآن ہے جن کا یہ ہیں ناطق ایسے

نطق ابلاغ کا حق پورا ادا کرتا ہے　　نطق آواز کی حد پھاند لیا کرتا ہے
نطق کو گوش ہی کیا دل بھی سنا کرتا ہے　(٧)　نطق بے صوت بھی پیغام دیا کرتا ہے
نطق اُٹھتا ہے کبھی شورِ تلاطم بن کر
ایک ششماہے کے ہونٹوں کا تبسم بن کر

نطق ہے نثر بھی اور نظمِ بلیغ اور سلیس　　نطق ہے نعتِ ابوطالبؑ ذی جاہ و رئیس
نطق اشعار وہ حسان و فرزدق کے نفیس　(٨)　نطق غالبؔ کی غزل نطق مراثیِ انیسؔ
اصل جس طرح سے ہے فرع کی گویا بنیاد
نطق ابلاغ کی دراصل ہے تنہا بنیاد

نطق ہے وصف تو موصوف سے ہے وابستہ　　کبھی بڑھتا ہے کبھی گھٹتا ہے اس کا رتبہ
جب وہ اونچا ہوا ''ماینطقو'' تک آ پہنچا　(٩)　نطقِ سرکارؐ دو عالم ہی تو ہے وحیِ خدا
اور منافق کو ملے نطق یہ حالت ہوگی
نطق پر اس کے تو شیطاں کی حکومت ہوگی

وحی کا ذکر چھڑا ہے تو یہ نکتہ سمجھو　　اک نئے رُخ سے ذرا نطق کا جلوہ سمجھو
ہاں خبردار ، پیمبرؐ کو نہ ہم سا سمجھو　(١٠)　''مثلکم'' پر نہ رکو ، آگے ہے ''یوحیٰ'' سمجھو
نطق جوں کرتا ہے انسان کو حیواں سے بلند
وحی کرتی ہے پیمبرؐ کو یوں انساں سے بلند

اب مرے سامنے ہے نطق کی معراجِ تمام　　جلوہ افروز ہے منبر پہ جو ہے حق کا امامؑ
وہ علیؑ ، نطق بھی خود جس کا ازل سے ہے غلام　(١١)　وہ علیؑ کھینچے ہوئے آج ہے لفظوں کی حسام
ایک طوفانِ سخن زمزمہٴ زا اُٹھتا ہے
منبرِ کوفہ سے اب شقشقیہ اُٹھتا ہے

بولے حیدرؑ بخدا جو تھی خلافت رب کی　　مثلِ پوشاک قحافہ کے پسر نے پہنی
جب کہ وہ جانتا تھا خوب ہی اس بات کو بھی　(١٢)　آسیہ ہے جو خلافت تو قطب ہوں مَیں ہی
حفظِ دیں کے لیے مَیں نے بھی یہ نقشہ کھینچا
اپنے اور بیچ خلافت کے جو پردہ کھینچا

اُس مصیبت میں جہاں طفل بھی ہوجائیں پیر صبر بہتر ہے یہ جانا تو کیا صبرِ کثیر
جب کہ تھی آنکھ میں تنکے کی کھٹک ، حلق میں تیر (۱۳) دیکھتا رہ گیا لٹتے ہوئے اپنی جاگیر

پہلا پھر پہنچا جو انجام کو یہ کر گذرا
وہ خلافت بنِ خطّاب کو دے کر گذرا

ان کی نظروں میں خلافت بھی تھی ناقہ جیسے جس کے دوتھن تھے جنھیں دونوں نے یوں بانٹ لیے
پھر تو اغلاط ہوئے ، اور ہوئے ، ہوتے گئے (۱۴) جتنے اغلاط ہوئے عذر بھی اتنے ہی بنے

بگڑی اسلام کی صورت تو مسلمان الجھے
بگڑے کردار ، گرا خُلق اور اذھان الجھے

گذرا اک عرصہ مگر کرتا رہا صبر علیؑ دوسرے کی بھی گھڑی موت کی جب آپہنچی
گیند عہدے کی بنائی ، سوئے شوریٰ پھینکی (۱۵) اور شوریٰ میں مِری ذات بھی شامل کر لی

یاخدا مجھ کو بھلا کام ہی کیا شوریٰ سے
تھا نہ شک پہلے نہ اب جوڑ مرا شوریٰ سے

خامشی کی تھی ضرورت سو میں خاموش رہا مجھ سے منہ ایک نے نفرت کے سبب موڑ لیا
دوسرے نے مجھے داماد کی خاطر چھوڑا (۱۶) بات کہنے کی ہے کیا ، یہ بھی ہوا وہ بھی ہوا

تیسرا ان میں اُٹھا پھولے بدن کو لے کر
دو طرف اپنے وہ تھا چارہ وتھن کو لے کر

اس کے ساتھ اُٹھ گئے پھر اس کے قبیلے والے اونٹ تھے ، پھرتے تھے جو فصلِ ربیع میں چرتے
گھاس کی طرح سے جو مالِ خدا کھائے تھے (۱۷) آخر آئی وہ گھڑی کھل گئے بل رسّی کے

اختتام اس کا ہوا بھٹکے قدم کے باعث
منھ کے بل گر گیا وہ اپنے شکم کے باعث

جوق در جوق سبھی میری طرف دوڑ پڑے بھیڑ بکری کی طرح گرد مرے پھرنے لگے
ہاں مگر جب میں اُٹھا امرِ خلافت لے کے (۱۸) تین غول ایسے تھے جو ساتھ مرا چھوڑ گئے

ناکث اک غول ہوا بیعتِ حق کو توڑا
ایک قاسط ہوا اور ایک نے دیں کو چھوڑا

لوگ آتے نہ مرے پاس جو لے کر حاجت اور مددگاروں نے کی ہوتی نہ پوری حجّت
خالقِ کُل سے نہ ہوتا مرا عہدِ نصرت (۱۹) باگ میں ڈالتا بیعت کی بہ پشتِ بیعت

میری نظروں میں نہیں کچھ بھی یہ ساری دنیا
بکری کی چھینک سے بھی کم ہے تمھاری دنیا

نطق کا چھوڑا اثر اور اتر آیا حیدرؑ مظہر اللہ کا ، امکان کا دارا حیدرؑ
علم کے شہر کا در ، علم سراپا حیدرؑ (۲۰) منظرِ کرب و بلا دیکھ رہا تھا حیدرؑ
کربلا کے لیے ہتھیار دیا زینبؑ کو
نطق اپنا کیا حیدرؑ نے عطا زینبؑ کو

وارثِ نطقِ علیؑ زینبِؑ ذی شان چلیں شام کی فتح کا پورا لیے سامان چلیں
کرنے کو جیت کا شبیرؑ کی اعلان چلیں (۲۱) کربلا بن کے وہ اسلام کا ارمان چلیں
شب میں عاشور کی بیٹوں کو وہ لپٹانے لگیں
نطقِ حیدرؑ کی امیں پھر انھیں سمجھانے لگیں

بولیں اے عونؑ و محمدؑ مرے پیارو سن لو دخترِ فاطمہؑ کی آنکھ کے تارو سُن لو
دلِ عبداللہؑ و زینبؑ کی بہارو سن لو (۲۲) تم ہو اسلاف کی تصویر دُلارو سُن لو
صبح کو ولولۂ کفر شکن دیکھوں گی
تم میں کل حیدرؑ و جعفرؑ کے چلن دیکھوں گی

ساتھ ماموں کے ہر اک لمحہ رہا کرنا ہے سب سے پہلے ہوں فدا رب سے دعا کرنا ہے
تشنہ لب تم ہو مگر خوب وغا کرنا ہے (۲۳) زخم کوئی جو لگے شکرِ خدا کرنا ہے
نیمچوں سے صفِ اعدا کا صفایا دیکھے
تم ہو عباسؑ کے شاگرد یہ دنیا دیکھے

سن کے یہ باتیں سعادت کے علمداروں نے ماں کے پیروں پہ رکھا سر کو وفا کاروں نے
عرض کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ جرّاروں نے (۲۴) رن ہمارا کہاں دیکھا ہے ستم گاروں نے
یاد رکھے گا سدا جنگ کا میداں ہم کو
اذن ماموں سے دلا دیجیے امّاں ہم کو

شب کٹی ہونے لگا صبحِ بلا کا آغاز گونجی اکبرؑ کی اذاں یعنی نبیؐ کی آواز
جنگ کی بن گئی صف ختم ہوئی جوں ہی نماز (۲۵) حق پہ جاں دینے لگے ابنِ علیؑ کے جانباز
پاس شبیرؑ کے زینبؑ کے پسر آتے تھے
اذن ملتا نہ تھا مایوس پلٹ جاتے تھے

آخرش فاطمہ زہرؑا کی وہ جائی اُٹھیں لٹ گئی رن میں جو مسلمؑ کی کمائی اُٹھیں
اذن مرنے کی جو بیٹوں نے نہ پائی اُٹھیں (۲۶) دونوں کی جنگ کی ساعت جو نہ آئی اُٹھیں
بھائی سے آج جو مانگا بھی تو کیا مانگ لیا
دل کے ٹکڑوں کے لیے اذنِ وغا مانگ لیا

اب تو کس طرح نہ دیں اذن شہِؑ جنّ و بشر　　دیکھا بچوں کو کبھی کی کبھی زینبؑ پہ نظر
کہہ دیا جاؤ مگر تھام لیا قلب و جگر　　جھوم کر رن کو چلے شیرِ خدا کے دلبر (۲۷)
عرش سے جعفرِؑ طیّار دعا دینے لگے
اور عباسؑ پھریرے کی ہوا دینے لگے

رن میں آتے ہی رجز دونوں دلیروں نے پڑھا　　اس گھرانے کے تو ہے نطق کا جگ میں چرچا
عونؑ کا نعرہ تھا لو جان لو تم لوگ ذرا　　میں بنِ جعفرِ طیّار ہوں کافی ہے پتہ (۲۸)
یہ محمدؑ نے کہا تم سے لڑوں گا لوگو
تم بدلتے ہو جو قرآن کے معنی لوگو

پیاسے بچوں نے بپا کر دیا بازارِ قضا　　یاد آنے لگی پھر حیدرؑ و جعفرؑ کی وغا
ایک جھپٹا جو یمیں پر تو کیا حشر بپا　　دوسرا سوئے یسار آیا رسالہ الٹا (۲۹)
ایسے میں ماں کا جو تھا حال عیاں کون کرے
درد اور فخر کی حالت کو بیاں کون کرے

کم سنی ، تین شب و روز کے بھوکے پیاسے　　کب تلک لڑتے ہزاروں سے مرے شہزادے
رخش سے خاک پہ ماموں کو صدا دے کے گرے　　ساتھ اکبرؑ کے علمدار یہ کہتے دوڑے (۳۰)
لاشے بچوں کے اُٹھانے کو نہ رن کو جاتے
کاش ہم پہلے شہِؑ دیں پہ فدا ہوجاتے

در خیام آ گئے دو خون میں ڈوبے لاشے　　سب کے دل پھٹ گئے سر پیٹ کے سب رونے لگے
چپ تھیں بس زینبِؑ دلگیر جگر کو تھامے　　پھر جو زینبؑ نے کِیا حشر کے سامان ہوئے (۳۱)
لفظ کا کام نہیں ، اب عمل اُن کا ناطق
لاش پر بیٹوں کی وہ شکر کا سجدہ ناطق

یا علیؑ ابنِ ابی طالبِؑ والا گوہر　　مانگا تھا آپ سے یہ مرثیہ زینبؑ کے پدر
صدقے ہو آپ پہ یہ آپ کا عبدِ کمتر　　اللہ اللہ یہ الطاف و کرم عرفاںؔ پر (۳۲)
اے کریم آپ سے اب خواہشِ رندانہ ہے
کیجے مقبولِ اسے پیش یہ نذرانہ ہے

❁❁❁

ناطقؔ لکھنوی کی مرثیہ نگاری

پروفیسر سید علی عرفان نقوی

ناطقؔ کا اصل نام سید ابوالعلا سعید احمد اور تخلص ناطقؔ تھا جبکہ شہرت ناطقؔ لکھنوی سے پائی۔ والد کا اسمائے گرامی سید محمد عبدالبصیر زیدی اور قلمی نام حضور تھا۔ ناطقؔ کی ولادت ۱۸۷۸ء میں لکھنؤ میں ہوئی۔ عرفان عباسی فرماتے ہیں کہ ناطق ۱۹۲۲ء میں کلکتہ آئے اور مطب کھولا لیکن ساتھ ہی ساتھ شعری و ادبی سرگرمیوں بھی جاری رکھیں۔ وحشتؔ کلکتوی آپ کے ہم عصروں میں سے تھے۔ امیرؔ مینائی سے آپ کی قریبی رشتہ داری تھی۔ آپ علم نجوم، منطق، جفر، فقہ اور طب سے نہ صرف واقف تھے بلکہ اس کے، ماہر اور استاد بھی تھے۔ تاریخ شاہد کہ آپ کو صحافت سے بھی دلچسپی تھی۔ چنانچہ آپ رسالہ ''ملک وملت'' (حیدرآباد) ''نورالانور'' کانپور، اور ''مبصر'' لکھنؤ کے مدیر بھی رہے۔

ناطقؔ لکھنوی نے غزلیں، قصیدے، رباعیاں، نظمیں اور مرثیے بھی کہے ہیں۔ ان کی شعری و نثری تصانیف میں خاص طور پر ''فارسی شاعری کی ابتداء''، ''بستانِ معرفت''، ''اسرارِ حقیقت''، ''تذکرۂ شعرائے اردو''، ''وید و ویدانیت''، ''افسانہ شہرِ آشوب''، ''دیوانِ ناطق'' (۱۹۵۷ء) اور ''نظمِ اردو'' (۱۹۴۰ء) وغیرہ شامل ہیں۔

وحشتؔ کلکتوی کی طرح ناطقؔ لکھنوی بھی ۱۹۵۰ء میں پاکستان ہجرت کر گئے جہاں ۱۱۹کتوبر ۱۹۵۰ء کو پیوندِ خاک ہوئے۔

تمام شعری و نثری تخلیقات سے قطع نظر یہاں ان کے مرثیے کی روشنی میں مجھے ان کے موضوع و فن سے گفتگو کرنا مقصود ہے۔ لہٰذا ان کے دیوان میں شامل ۵۵۰ بند کا جو مرثیہ ملتا ہے، پہلے اس مرثیے سے چند بند کو منتخب کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تا کہ اس مرثیے سے قارئین بھی براہ راست واقف ہو سکیں۔ اس کے بعد اس کے موضوعات، فن اور اسلوب کے حوالے سے گفتگو کی جا سکے۔

شہادت

(۱)
شام پر سایہ فگن جب شبِ عاشور ہوئی — کربلا تیرگیِ ظلم میں محصور ہوئی
گو شبِ ماہ تھی لیکن شبِ دیجور ہوئی — چاند بے نور ہوا ، چاندنی کافور ہوئی
پنجۂ مہر سے دامانِ قمر چھوٹ گیا
عہد سیاروں میں باہم جو تھا وہ چھوٹ گیا

(۲)
اک سیہ خیمۂ تاریک تھا گردونِ کہن — تھی نئی بات کہ تھا ، جملہ ستاروں کو گہن
بازوؤں میں تھے چھپائے ہوئے منھ ، زاغ و زغن — مثل ذروں کے ، ثوابت بھی تھے ، آوارہ وطن
صبح کے ڈر سے رخِ زرد، قمر کا فق تھا
شب کا اندیشۂ فردا سے کلیجہ شق تھا

(۳)
منظرِ عالمِ ہُو ، ارض سے تا چرخِ بریں — رعشہ در جسمِ فلک لرزہ براندام زمیں
نہ تو حاضر تھے نہ غائب تھے مکاں اور مکیں — ذکر ہستی کا یہاں کیا ہے عدم بھی تو نہیں
کارواں سب کے حواسوں کا لٹا جاتا تھا
روح کا دم تنِ بے جاں میں گھٹا جاتا تھا

جب یہاں پہنچے تھے سرتاجِ شہیداں کے قدم   عرض کی سب نے کہ یہ ارض ہے بنیادِ ستم
نور دل تھا جو وہاں ، آکے یہاں ، ہو گیا کم   (۴)   خون کے قطرے زمیں پر ہیں بجائے شبنم
ہوا ارشاد حضوری کی یہی منزل ہے
راہ تکتا تھا میں جس کی یہ وہی منزل ہے

مل گئے راہ میں حُر اور سوار ایک ہزار   حُر نے پوچھا کہ اِدھر کس لیے آئے سرکار
کیا ارشاد کہ لوگوں کا تھا بے حد اصرار   (۵)   کہ یہاں دین کا کوئی نہیں اب واقف کار
کوفیوں نے ہمیں ضد کرکے بلایا ہے یہاں
ذاتی اغراض سے کوئی نہیں آیا ہے یہاں

شب بھر آتے رہے ، لشکر کی نمائش کے جلوس   فوج پر فوج اُدھر اور اِدھر چند نفوس
بزدلی اس پہ یہ تھی ، فتح سے اپنی مایوس   (۶)   یہ غلط ہے کہ دیا ، جوہرِ دیں لیکے فلوس
ان میں ایمان کہاں ، زر نے جسے لے ڈالا
دین کب ان کے یہاں تھا کہ جسے دے ڈالا

خنجر و تیغ پہ ہوتی رہی صیقل شب بھر   ان کی جھنکار سے ، گونج کیا جنگل شب بھر
دیکھتا سنتا لرزتا رہا مقتل شب بھر   (۷)   گرد خیموں کے رہے ، گشت میں پیدل شب بھر
کام جُز اسلحہ ، سب ہوگئے موقوف وہاں
رات بھر ذکرِ خدا میں رہے مصروف یہاں

ہے یہ مشہور کہ پانی کو گئے تھے عباسؑ   کر سکے صبر نہ جب، دیکھ کے معصوموں کی پیاس
سخت خوں ریز ہُوا معرکہ اک نہر کے پاس   (۸)   مشک دانتوں سے لی جس وقت ہوئی ہاتھوں سے یاس
مشک میں تیروں سے، سوراخ تھے سب، بہہ گیا آب
آنکھ میں پیاسوں کی جو کچھ تھا وہی رہ گیا آب

اک مورّخ ہے بہت معتبر اس کا ہے مقال   بیس مشکیں گئے لیکر ، لبِ ساحل پہ ہلالؑ
ان کے ساتھی بھی کئی تھے ، معہٗ سامانِ جدال   (۹)   دیکھ مجمع جو عمر نے، کیا چلّا کے سوال
کس کی آئی ہے جو اس، نہر سے لے گا پانی
آلِ احمدؐ کو نہ اک بوند ملے گا پانی

ابنِ نافعؑ نے کہا ، تیرے چچا کا ہوں پسر   نام میرا ہے ہلالؑ ، اور میں ہوں تشنۂ جگر
پانی تم شوق سے پی سکتے ہو بولا یہ عُمر   (۱۰)   کہا افسوس کہ ، سیراب ہوں ، تنہا کیوں کر
ہم اکیلے نہیں پیاس اپنی بجھانے والے
تشنہ ہیں مالکِ کوثر کے گھرانے والے

کہہ کہ یہ حکم دیا، مشکوں میں پانی بھر لو / ہاتھوں میں تیغ و سپر ، دوش پہ مشکیں دھر لو
کوئی خود سر جو تمھیں روکے تو اس کا سر لو (۱۱) امتحاں اپنی وفا کا یہیں پہلے کر لو
دی عُمر نے، ادھر آواز نگہبانوں کو
تم یزیدی ہو تو ، پانی نہ دو مہمانوں کو

بھر کے مشکوں کو ، حسینؑ ابنِ علیؑ کے ، اصحاب / آبِ شمشیر سے کرنے لگے سب کو سیراب
ساحلِ قلزمِ خوں بننے لگا ساحلِ آب (۱۲) سطحِ دریا پہ لگے تیرنے سر مثلِ حباب
نہر کی راہ سے ، پہنچے سرِ دوزخ آکر
آب کے ڈوبے ہوئے ، آگ میں نکلے جاکر

اک مصنف کا ہے قول ، آب وہاں تھا نہ عسیر / غسل کرکے ، گئے جنگ گاہ میں لڑنے شبیر
عقل راوی ہے ،قلیل اور ہے ،علم اس کا قصیر (۱۳) صرف دو مرتبہ ، دس دن میں ملا ، آبِ کثیر
بیس مشکیں جو ہلالؑ آئے تھے لے کر پانی
ہوا دم بھر میں ، نہ ہونے کے برابر ، پانی

حُر کو دیکھا جو عمر نے کہا چلے ہیں مغموم / پوچھا کیا ہے؟ کہا ظالم پہ ہے لعنت کا ہجوم
پوچھا کس واسطے ؟ بولے پئے صبرِ مظلوم (۱۴) پوچھا درد ان کا تمھیں کیوں ؟ کہا وہ ہیں معصوم
کہا پابند ہو تم میرے ، کہا حُر ہوں میں
بولا کچھ خوف نہیں ، بولے بہادر ہوں میں

کہا گھر بار کا کچھ غم ؟ کہا جنت میں ہے گھر / پوچھا دنیا سے سفر ، بولے کہ بے خوف و خطر
کہا دیکھو تو ادھر، بولے خدا پر ہے نظر (۱۵) کہا کچھ خوفِ خلیفہ ، کہا اللہ سے ڈر
بولا اس عقل پر تُف ، بولے حماقت پہ تری
کہا افسوس ہے بے حد ، کہا قسمت پہ تری

بدلا اب رُخ، ہوا آمادۂ رزم و پیکار / ہاتھ قبضے پہ گیا تھا کہ نکالے ہتھیار
حرؑ نے موقع نہ دیا کھینچ لی پہلے تلوار (۱۶) اس نے جب دیکھا کہ خالی گیا آمد کا بھی وار
مڑ گیا پھر وہ اُسی اپنی ضلالت کی طرف
حُرؑ کا رہوار بڑھا راہِ ہدایت کی طرف

حُرؑ نے دل میں یہ کہا میں تو کہیں کا نہ رہا / حسنِ ظن مجھ پہ ادھر ، اہلِ یقیں کا نہ رہا
اس طرف دوست کسی دشمنِ دیں کا نہ رہا (۱۷) اب سہارا بھی کوئی قلبِ حزیں کا نہ رہا
کیا غضب میں نے کیا جا کے جو گھیرا تھا انھیں
رہزنی مجھ سے ہوئی راہ سے پھیرا تھا انھیں

حُرؒ قدم بوس ہوئے حاضرِ خدمت ہو کر　　عرض حضرت سے یہ کی غرقِ خجالت ہو کر
پہلے رہزن ہوا میں ، محوِ ضلالت ہو کر　(۱۸)　پہلے قربان ہوں اب ، صاحبِ سبقت ہو کر
اور کیا ، بانیِ عصیاں کے لیے چارہ ہو
کہ فدا پہلے ہوں شاید یہی کفارہ ہو

اب مڑے جانبِ اکبرؑ شہدا کے سرتاج　　سوئے خیمہ وہ گئے دیکھ کے رجحانِ مزاج
پوچھا مہماں کے بھی کھانے کو نہ ہوگا کچھ آج　(۱۹)　بولیں چن بن کے پکایا گیا پچمیل اناج
لائے اک ظرف میں اور حُرؒ کو کھلایا لاکر
پانی عابدؑ کا جو رکھا تھا پلایا لاکر

عمر بھر حُرؒ نے نہ کھایا تھا کبھی ایسا طعام　　لذّتِ روح میں تبدیل ہوا دل کا نظام
کوزۂ آب تھا یا بادۂ کوثر کا تھا جام　(۲۰)　کیفِ روحی سے ملا قلب کو اک ذوقِ دوام
حُرؒ پہ اس کیف میں غلبہ ہُوا مدہوشی کا
ہاں یہی وقت ہے ساقی مری مئے نوشی کا

کسی بدکار کی بیعت بھی ہے اک بدکاری　　میں اگر ایسا کروں رسم یہ ہوگی جاری
ہوں گے سرکار کے پیرو تو سبھی درباری　(۲۱)　ہوگی برباد پیمبرؐ کی یہ محنت ساری
مجھ کو اس رسم کا جاری نہیں کرنا منظور
مذہبِ حق نہ ہو مردہ مجھے مرنا منظور

تین بار آپ نے چاہا کہ ہو کم بغض و عناد　　پایا تیروں ہی سے ہر بار جوابِ ارشاد
یوں ہوا آپ کی اصلاح سے اعلانِ فساد　(۲۲)　جس طرح نشترِ جرّاح سے ظاہر ہو مواد
الغرض ختم جو تقریرِ گہر بار ہوئی
اثر اس کا یہ ہوا تیروں کی بوچھار ہوئی

خون سے زخم جبیں کے رُخِ انوار ہوا　　بڑھ گیا حد سے جمال آگیا سیّدؑ کو جلال
ذوالفقارِ اسدی سے یہ کہا بہرِ قتال　(۲۳)　موت ہو یا کہ نہ ہو اب یہ نہیں کوئی سوال
قتلِ عام ایک سرے سے جو ہو سب کے لیے
جیسے آج آ ہی گیا ، حکمِ قضا سب کے لیے

جان دینے کے سوا اب کوئی چارہ نہ رہا　　دم ٹھہر جائے گا دم بھر یہ سہارا نہ رہا
کوئی لعنت زدہ تلوار کا مارا نہ رہا　(۲۴)　سر چڑھی جس کے یہ تیغ اس کا اتارا نہ رہا
کیا حقیقت کسی انساں کی اگر جن ہوتا
اس کا بچنا بھی نہ اس قہر سے ممکن ہوتا

تیغ کی آنچ ، ہوا بن کے ، بنی گرم آندھی — جس کی ہر آنچ میں صمصام تھی اک زہر بجھی
سانس لینے پہ تھے مجبور ، اس آندھی میں سبھی (۲۵) زندہ رہنے کی کسی کو کوئی امید نہ تھی
صبحِ محشر کا سا جنگاہ میں ہنگام ہوا
آج تھا سب کو یقیں خاتمۂ شام ہوا

ناگہاں غیب کے پردے سے یہ آئی آواز — اے شہادت کے پُر اسرار ، غرض کے ، ہم راز
خوب ہی فاتحِ خیبر کے دکھائے انداز (۲۶) بھول جانا نہ کہیں جوش میں وہ راز و نیاز
کہ جب آجائے گی دنیا میں پریشانیِ دیں
کون دینے کے لیے آئے گا قربانیِ دیں

قتل ہونا بھی تو ہے ، قتل ہی کرنا تو نہیں — تم کو مرنا ہے یہاں ، اوروں کو مرنا تو نہیں
سب کو ، اس عالمِ فانی سے ، گزرنا تو نہیں (۲۷) آج وعدے سے تمھیں اپنے مکرنا تو نہیں
جس نے ٹوکا ہو ، بہرحال کسی نے ٹوکا
سُن کے یہ ، ہاتھ حسینؑ ابنِ علیؑ نے روکا

کی نظر آپ نے نیچی تو برسنے لگے تیر — دست کش آپ ہوئے کھنچ گئی سب کی شمشیر
کم نصیب اور سیہ بختوں کی پلٹی تقدیر (۲۸) خوں سے رنگیں ہوئی صبر و رضا کی تصویر
ہو کے بے ہوش سرِ خاک پہ جب آئے حسینؑ
رُو کے کہتا تھا سرِ چرخ کوئی ہائے حسینؑ

ایک جانب جو ہے ابلیس ، تو اک رُخ جبریلؑ — اور قابیل کے تھے ، مدِّ مقابل ہابیل
قاطعِ حجّتِ فرعون تھی ، موسیٰؑ کی دلیل (۲۹) اس طرف آتشِ نمرود اُدھر باغِ خلیلؑ
شر ہو یا خیر ، جلال اور جمال اس کا ہے
دونوں عالم میں بہر حال، کمال اس کا ہے

روح پیاسی گئی ، سر کٹ گیا ، خوں اپنا پیا — کوئی اکفر نہ کرے شمر و عمر نے جو کیا
لاش پر ظلم کیے چین سے مرنے نہ دیا (۳۰) بدر و خیبر کا عوض روحِ پیمبرؐ سے لیا
جو ستم ان پہ تھے ناطقؔ وہ ستم لکھ نہ سکا
کہ زباں کہہ نہ سکی اور قلم لکھ نہ سکا

ایسا نہیں تھا کہ ناطقؔ لکھنوی واقعاتِ کربلا اور تاریخ اسلام سے ناواقف تھے۔لیکن مذکورہ بالا جس مرثیہ کا ذکر کیا گیا ہے اور مثال میں ۳۰ بندوں کو نقل کیا گیا ہے اس کی روشنی میں یہ بات بلا جھجک کہی جا سکتی ہے کہ مرثیہ رقم کرتے ہوئے ناطقؔ لکھنوی نے جس طرح کمزور روایات، غیر ضروری اور غیر منطقی واقعات کا سہارا لیا اس سے ان کے مرثیے کی روح مجروح ہوتی ہے۔واقعے کی بے ربطی قدم قدم پر کھٹکتی ہے۔ایسا لگتا ہے کہ بے ربط داستان جمع کی جا رہی ہے۔چنانچہ ان کا مرثیہ اُس معیار پر نہیں پہنچتا جس پر اُن کے عہد کے دوسرے مرثیہ نگاروں کا مرثیہ قائم

ہے۔ مذکورہ بند ۸ کو ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح ناطق لکھنوی اس بند میں حضرت عباسؑ اور یزیدی فوج کے درمیان لبِ ساحل خونریز معرکہ آرائی کی باتیں کرتے ہیں جبکہ اکثریت یہ جانتی ہے کہ مستند حوالے موجود ہیں کہ حضرتِ عباسؑ کو جنگ کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ صرف بچوں کی آوازِ العطش پر وہ نہرِ فرات پانی لانے گئے تھے۔ ان کی تلوار امام حسینؑ نے اپنے پاس رکھ لی تھی۔ علاوہ ازیں اس بند میں ایک مصرعہ بھی ایسا نہیں جسے ہم رزمیہ شاعری کا نمونہ کہہ سکیں۔ خیر دوسری جانب بند ۹ سے ۱۲ بند کے دروان جس طرح سے جناب ہلال (عاشق حسین) نے امام حسینؑ اور اولادِ حسینؑ کے لیے نہرِ فرات پہنچ کر عمرِ سعد سے پانی کے لیے التجا کرتے ہیں وہ غور طلب ہے۔ نتیجہ بھی سننے کے قابل ہے۔ عمرِ سعد ہلالؑ کی باتیں سن کر برہم ہوجاتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ امام حسینؑ اور اولادِ امام حسینؑ کو کسی بھی قیمت پر پانی نہیں دے سکتا۔ یہ سن کر اصحابِ حسینؑ نے جس طرح بیس مشکیں پانی کی لی ہیں یہ دیکھنے کے قابل ہے۔ مقصد اور کردارِ امام حسین علیہ السلام تو کجا اصحابِ امام حسینؑ کا کردار بھی ایسا نہیں ملتا کہ وہ پانی کے لیے جنگ وجدال کریں اور یقیناً یہ خبر حضرت امام حسینؑ کو ملی ہوگی کہ ہلالؑ نے یزیدی فوج کا قتل کر کے ظلم و جبر سے پانی حاصل کیا ہے۔ لیکن اس موقع پر ناطق لکھنوی امام حسین علیہ السلام کا کوئی ردِ عمل نہیں دکھاتے۔ اور مذکورہ بالا ۱۳ ویں بند تو بالکل بعید از عقل و فہم ہے۔

اس سلسلے میں سید عاشور کاظمی کا یہ کہنا صد فی صد درست معلوم ہوتا ہے کہ:

''ناطق نے بعض ایسی ضعیف روایتوں کو بھی نظم کیا جو مقصدِ قربانیِ حسینؑ کے مزاج پر پوری نہیں اترتیں اور بعض واقعات کو بھی جن کا ذکر نہ ہو تو واقعۂ کربلا اور تاریخ کربلا میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔'' (اردو مرثیے کا سفر اور بیسویں صدی کے اردو مرثیہ نگار، صفحہ ۲۵۳)

اس کے ساتھ وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

''مقامِ حیرت ہے کہ ناطق لکھنوی جیسی عالم فاضل شخصیت ابلیس اور جبرئیلؑ، ہابیل و قابیل یعنی قاتل و مقتول، ایک دوسرے کی ضد قوتوں کے اعمال کی ذمہ داری اللہ کے نام لکھ رہے ہیں۔ اگر ''ہمہ اوست'' ہی حرفِ آخر ہے تو یزید اور حسین علیہ السلام (نعوذ باللہ) دونوں کے کردار اور اعمال حسبِ منشائے خداوندی ثابت ہوئے۔ استغفر اللہ۔'' (اردو مرثیے کا سفر: بیسویں صدی کے اردو مرثیہ نگار، صفحہ ۲۵۳)

مرثیہ کے اجزائے ترکیبی کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو ایسا لگتا ہے کہ چہرہ اور رزم کے حصے سے ہی انہیں دلچسپی ہے۔ بقیہ جز و مثلاً شہادت اور بین سے انھیں کوئی مطلب نہیں۔ جبکہ ان ہی دو جز و کی بنیاد پر مرثیے اور غیر مرثیے میں تمیز کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں رزم کا حصہ بھی بڑا کمزور ہے۔ ۵۵۰ بند کے مرثیے میں صرف ۲ بند شہادت کے لکھنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ غمِ مظلوم کربلا ان کے بس کی بات نہیں۔ ان باتوں سے قطعِ نظر ناطق لکھنوی کے مرثیے کی زبان بھی وہ نہیں جو میر انیسؔ و دبیرؔ یا ان کے بعد کے مرثیہ نگاروں کی ہے۔ بعض جگہ الفاظ بازاری ہیں اور بعض جگہ مبہم و گنجلک معلوم ہوتے ہیں۔ اس موقعے پر علامہ ضمیر اختر کا یہ کہنا کسی طرح غلط نہیں ہے کہ:

''جنگ کے بیان میں انہوں (ناطق لکھنوی) نے بعض ایسے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں جو اس سے پہلے مرثیے میں استعمال نہیں ہوئے۔ مثلاً دھنیگا مشتی، آپا دھاپی، دھکّم دھکّا، ڈائن، سٹکا، پالٹ، بنوٹ، طرّم خانی، رستم خانی جیسے الفاظ مرثیے میں گراں گزرتے ہیں۔''

(اردو مرثیہ پاکستان میں، صفحہ ۵۲۷)

المختصر یہ کہ ناطق لکھنوی نے اپنے مزاج سے ہٹ کر مرثیے کی وادی میں قدم رکھنے کی کوشش کی جہاں انھیں ناکامی ہاتھ آئی۔ وہ نہ تو مرثیے میں مرقع سازی کر پائے، نہ الفاظ کے ذریعہ کوئی ایسی تصویر اتار پائے جسے دیکھ کر اصل کا گمان ہوتا اور نہ ہی پُر درد الفاظ سے پتھر دل کو آبدیدہ کر پائے۔

❁❁❁❁

غیر مطبوعہ مرثیہ

تسنیم عابدی

(۱)
گھر کی طلب ہے سب کو گدا ہو کہ شاہ ہو
گھر وہ ہے جو سکون کی آماجگاہ ہو
گھر کا ہر ایک فرد سدا مہر و ماہ ہو
گھر ہے وہی دکھوں سے جہاں پر پناہ ہو
بیت الشرف نجابتِ انسان کا ہے گھر
ہے مرکزِ سکون یہ ایمان کا ہے گھر

(۲)
جس گھر کے طفل سیّد و سبطِ رسولؐ ہوں
جس گھر کے سربراہ علیؑ و بتولؑ ہوں
جس گھر کے واسطے سے دعائیں قبول ہوں
جس گھر کی دونوں بیٹیاں عصمت کا پھول ہوں
زینت پدر کی بھائی کی ہمشیر کون ہے؟
مجھ سے سنو کہ زینبؑ دلگیر کون ہے؟

(۳)
زینبؑ صفاتِ زہراؑ کی آئینہ دار ہے
زینبؑ علیؑ کا رعب نبیؐ کا وقار ہے
زینبؑ کے دم سے دین پہ مطلق بہار ہے
زینبؑ ولائے حق کا عجب شاہکار ہے
بیت الشرف میں کنبے کی وہ نورِ عین ہے
کرب و بلا میں قافلے کے دل کا چین ہے

(۴)
زینبؑ فرازِ صبر کا اعلیٰ مقام ہے
زینبؑ عقیلۂ بنی ہاشمؑ کا نام ہے
زینبؑ پہ ہر امامؑ نے بھیجا سلام ہے
زینبؑ علیؑ کی طرح سے محوِ کلام ہے
دربار میں جلالتِ حیدرؑ لیے ہوئے
لہجے میں ذوالفقار کے تیور لیے ہوئے

(۵)
زینبؑ کلیدِ فتحِ مبیں کا پیام ہے
زینبؑ شرف کے باب کی زینت کا نام ہے
زینبؑ کو بس امامؑ کی نصرت سے کام ہے
زینبؑ نمازِ شب کا قعود و قیام ہے
چادر نہیں ہے سر پہ ہے نادار بعدِ عصر
پیشِ نظر ہے عابدؑ بیمار بعدِ عصر

(۶)
زینبؑ پیام حق کا سنانا سکھا گئی　　زینبؑ مقام دل میں بنانا سکھا گئی
زینبؑ چراغِ عشق جلانا سکھا گئی　　زینبؑ ہر ایک رشتہ نبھانا سکھا گئی
تاریخ میں یگانہ و یکتائے روزگار
بھائی حُسینؑ جیسا بہن ایسی شاہکار

(۷)
زینبؑ حرم کے ٹوٹے ہوئے دل کی آس ہے　　زینبؑ امامِ وقت کی رتبہ شناس ہے
زینبؑ یزیدِ وقت پہ اک ضربِ خاص ہے　　زینبؑ حریمِ شہرِ الم کا لباس ہے
پودا نموئے غم کا دلوں میں لگا دیا
فرشِ عزا کو جادہ منزل بنا دیا

(۸)
قاسمؑ کے واسطے علی اکبرؑ کے واسطے　　مصروفِ گریہ وہ رہی گھر بھر کے واسطے
عباسِؑ نامدار کے لشکر کے واسطے　　محوِ دعا رہی وہ بہترّ کے واسطے
اس نے ہجومِ زخم کو مرہم عطا کیا
زینبؑ نے خوب حقِّ ولایت ادا کیا

(۹)
زینبؑ خیامِ صبر و رضا کا چراغ ہے　　زینبؑ نسائیت کا مجسّم دماغ ہے
زینبؑ تلاشِ حق میں یقیں کا سراغ ہے　　زینبؑ زبانِ حال سے علم البلاغ ہے
چادر نہیں ہے اس پہ بہت دل میں درد ہے
بکھرے ہوئے ہیں بال اسیری کی گرد ہے

(۱۰)
زینبؑ حصارِ نور کی پروردہ ذات ہے　　زینبؑ کی داستانِ الم کو ثبات ہے
زینبؑ فشارِ جبر میں دیتی حیات ہے　　زینبؑ کی بے ردائی پہ روئی فرات ہے
جب تازیانہ پشت پہ سجادؑ کھاتے ہیں
زینبؑ کو اپنے ساتھ تڑپتا وہ پاتے ہیں

(۱۱)
زینبؑ جمودِ فکر پہ تیشہ دعا کا ہے　　زینبؑ فضائے حبس میں جھونکا ہوا کا ہے
زینبؑ سکوتِ شام میں لہجہ عزا کا ہے　　زینبؑ کے سر پہ سایہ حدیثِ کساء کا ہے
دربارِ شام تک کی مسافت کو کیا لکھوں
سجادؑ کے مَیں ضبط کی حالت کو کیا لکھوں

(۱۲)
زینبؑ عزائے شاہؑ کی تابندگی کا نام　　زینبؑ غمِ حسینؑ کی رخشندگی کا نام
زینبؑ ازل سے تا با ابد زندگی کا نام　　زینبؑ خدا کی راہ میں ہے بندگی کا نام
وہ بعدِ عصر صبر کی ایسی مثال ہے
کردارِ فاطمہؑ کا جلال و جمال ہے

زینبؑ گماں کے سامنے علم الیقین ہے زینبؑ پیامِ کرب و بلا کی امین ہے
زینبؑ علیؑ و فاطمہؑ جیسی ذہین ہے (۱۳) زینبؑ حریمِ آلِ نبیؐ کی مکین ہے
بازارِ کوفہ میں کبھی دربارِ شام میں
زینبؑ سپاہِ صبر تھی اُس اژدھام ہے

زینبؑ سفر میں آبلہ پائی لئے ہوئے زینبؑ چلی تھی ساری خدائی لئے ہوئے
زینبؑ امامِ وقت کو آئی لیے ہوئے (۱۴) زینبؑ ہے فاطمہؑ کی کمائی لیے ہوئے
اہلِ حرم کو ساتھ سنبھالے ہوئے چلی
وہ دُکھ کی کائنات سنبھالے ہوئے چلی

زینبؑ ہے وصفِ صدق و صفا کا مکالمہ زینبؑ نکو سرشت میں ہے مثلِ فاطمہؑ
زینبؑ کا قید خانے میں پہلا مسالمہ (۱۵) زینبؑ کی چشمِ نم کی روانی ہے علقمہ
عباسؑ اپنے دستِ بُریدہ سے تھام لو
ہمشیر کہہ رہی ہے ہمارا سلام لو

زینبؑ کا کارنامہ ہے تشہیرِ کربلا زینبؑ فقیہ عالمہ تنویرِ کربلا
زینبؑ کے بازوؤں پہ ہے تحریرِ کربلا (۱۶) زینبؑ کی ذات اصل میں توقیرِ کربلا
اک بھائی سے بہن کی محبت کی داستاں
کرب و بلا ہے حقِّ ولایت کی داستاں

بنتِ علیؑ بتولؑ کی ہم راز المدد ہے کربلائے عصر کی آواز المدد
اے کاروانِ زیست کی دم ساز المدد (۱۷) پھر فکرِ حق ہو مائلِ پرواز المدد
نسوانیت ، وقار کا پیکر ہمیں ملے
زینبؑ سے خود شناسی کا جوہر ہمیں ملے

❁❁❁

اپنے مضامین، سلام، نوحہ جات اور غیر مطبوعہ مرثیے ہمیں مندرجہ ذیل ای میل ایڈریس پر بھیجیے تاکہ انھیں ''فروغِ مرثیہ'' کے آئندہ آنے والے شماروں کی زینت بنایا جا سکے۔

faroghemarsiya@gmail.com

بانوؔ سید پوری: کربلا کی تفہیم کی نسائی آواز

ڈاکٹر عابد حسین حیدری

اردو کی رثائی شاعری کا کینوس اتنا وسیع وعریض ہے کہ اس کے دامن میں ہر مذہب، ہر قوم اور ہر قبیل سے متعلق شعراء کی شعریات نظر آتی ہیں۔ رثائی شاعری جس کا محور ومرکز شہادت امام حسینؑ کا وہ منظر نامہ ہے جو ۶۱ھ میں سرزمین کربلا پر وقوع پذیر ہوا۔ ظاہراً یہ چند گھنٹوں کی جنگ سیرت وکردار کا ایسا آئینہ ہے جس نے دنیا کے ہر قوم قبیلہ کو متاثر کرتے ہوئے تمام جغرافیائی حدودوں کو توڑ دیا اور آج امام حسینؑ کی ذات بقائے انسانی کا استعارہ بن کر ہر صاحب دل کو متاثر کر رہی ہے۔ رثائی شاعری میں مرثیہ اردو شاعری کی ایسی سربرآوردہ صنف سخن ہے جس میں غزل کا حسن، مثنوی کی روانی، نظم کا تسلسل، تصوف کا رنگ، ڈرامے کا تحیّر اور فکشن کی دلچسپی کا اجتماعی آہنگ دکھائی دیتا ہے۔ یہ وہ صنف ہے جس میں شاعری کی تمام تر خوبیاں جلوہ گر ہیں۔ یہ صنف عرب سے ضرور آئی لیکن برصغیر کی مٹی کی خوشبو نے اسے جولب ولہجہ عطا کیا اس کے سبب یہ اردو شاعری کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی شاعری بن گئی۔ رثائی شاعری کی ان شعریات کو تخلیقی شعور بخشنے میں ہمارے شعراء نے بڑی جگر کاوی کی ہے۔ دکن کی مستحکم رثائی روایت نے دہلی میں آکر اپنی تخلیقات سے جس اسلامی رواداری کو دنیا کے سامنے متعارف کرایا وہ اودھ کی سرزمین پر پہنچ کر گنگا جمنی تہذیب کی علامت بن گئی۔ خاندان انیس ودبیر اور عشق کی نت نئی تخلیقی توانائی نے مرثیے کو بام عروج پر پہنچایا اور بعد میں جوش، نسیم، آل رضا، جمیل مظہری اور نجم آفندی جیسے جدید مرثیہ نگاروں نے مرثیے کے موضوعات کی توسیع کرتے ہوئے اسے حریت آدمیت کا نقیب بنا دیا۔ مرثیے کے اس سفر میں جہاں ہر مذہب وملت کے شعرا نے اپنے تخلیقی جوہر دکھائے وہیں شاعرات کا بھی گنگا جمنی اجتماع اس صنف میں خاصا وقیع دکھائی دیتا ہے۔

جدید مرثیہ نگاری میں صنف نسواں کی نقیب کی حیثیت سے جہاں روپ کماری کا نام سرفہرست ہے، وہیں خطۂ اودھ سے ایک اہم نام بانوؔ سید پوری کا بھی ہے جنھوں نے اپنی رثائی شاعری سے اپنے عہد کو متاثر کیا۔ بانوؔ سید پوری عوام وخواص دونوں میں مقبول ہیں۔ ان کے مجموعۂ مراثی ''تنویر سخن'' (جلد چہارم) کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صاحب فن ہیں۔ انھوں نے اپنے مرثیوں کو تین ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

متذکرہ مجموعہ کے باب اول کو ''کربلا اقدام سے انجام تک'' کا عنوان دیا گیا ہے، جس میں دس مرثیے طلب، بیعت، قیام مکہ، مسلم بن عقیل، ترک حج وآمد زہیر تک، آمد زہیر تا ورود کربلا، ورود کربلا تا نویں محرم، شب عاشور، صبح عاشور تا عصر عاشور، عصر کربلا اور شام غریباں جیسے موضوعات کے تحت واقعۂ کربلا کے پورے فلسفہ اور شہادت امام حسینؑ علیہ السلام کی حقانیت کو ایک تسلسل کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح کی کوشش دبیر اور ان کے تلامذہ کے یہاں ملتی ہے اور بعد میں اوج کے شاگرد فراست زیدپوری نے اس روایت کو بڑے ہی شرح وبسط کے ساتھ ''ماہ کامل'' کے عنوان سے چہاردہ معصومین علیہم السلام کی تاریخ مسدس کی ہیئت میں دو ہزار بند نظم کر کے تاریخ اسلام وائمہ کو مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ بانوؔ نے بھی انیس ودبیر کے راستے پر گامزن ہوتے ہوئے فراست کی اس جدت کو نئی جہت دی

ہے۔ان کی اس تخلیقی پیش کش میں انیس کا رنگ بھی ہے اور جوش انقلاب بھی۔ساتھ ہی نجم آفندی کی فکر وفلسفہ سے بھر پور اصلاح معاشرہ کی روش بھی۔میرے ان جملوں کی تطبیق نادرۃ الزمن مولانا ابن حسن نونہروی کی ذیل کی لفظیات سے کی جاسکتی ہے:

''ان مرثیوں میں جن فیض وبسط کا مظاہرہ ہوا ہے وہ موصوفہ کی وسعت نظر، گہری فکر کا آئینہ ہے......اسلوب کا بیان تقریب ابلاغ وتبلیغ میں اعتدال سے تجاوز نہ ہونا بڑی احتیاط پسندی کا مرحلہ ہے۔''۱؎

تنویر سخن (جلد چہارم) میں ماہر عروض ومعانی ڈاکٹر شعور اعظمی کا تفصیلی مقدمہ ہے، جس میں انھوں نے قدیم مرثیے سے لے کر جدید مرثیے تک کے سفر کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے بانو سید پوری کی مرثیہ نگاری کے امتیازات کی نشاندہی کی ہے۔جدید مرثیے پر بحث کرتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے کہ''ان مرثیوں میں ممدوح کی سیرت بیان کر کے سننے والوں کو ان کی پیروی کا سبق دیا جاتا ہے۔جنگ آزادی کی ابتدا میں جمیل مظہری، جوش ملیح آبادی وغیرہ نے قوم کو پیروی آل محمد کا سبق دیا۔نجم آفندی نے کردار طرازی پر زور دیا۔انھوں نے مرثیے کے اجزا پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ''نہ جدید مرثیہ گویوں نے مرثیہ کے تمام اجزا پر توجہ کی نہ قدیم مرثیہ گویوں نے۔ہر ایک نے افتادِ طبع اور فطری میلان کے مطابق مرثیے کے اجزا منتخب کیے۔اس بحث میں بانو سید پوری کی مرثیہ نگاری کے امتیازی وصف کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بانو سید پوری کا زمانہ آتے آتے درس حریت کی ضرورت نہیں رہ گئی تھی لیکن کردار سازی اور رو بہ عمل رہنے کی تلقین کی ضرورت یقینا تھی۔یہی وجہ ہے کہ ان کے مراثی میں قدیم وجدید کا ایک حسین امتزاج نظر آتا ہے۔''۲؎

اکیسویں صدی ہی نہیں ہر دور کا سب سے بڑا مسئلہ دہشت گردی ہے اور اسی دہشت گردی کو بے نقاب کرنے کے لیے امام حسین علیہ السلام نے اپنی قربانی پیش کی۔امام حسین علیہ السلام نے اپنی قربانی سے یہ ثابت کیا کہ تلوار ہر مسئلے کا حل نہیں ہے۔تلوار سے کسی کو قتل کیا جاسکتا ہے۔حق وصداقت کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔امام حسینؑ کے بڑے بھائی امام حسن نے صلح کر کے بتایا کہ میرے نانا رسولؐ خدا کی سیرت صلح وآشتی ہے اور امام حسینؑ نے بھی بار بار عمر سعد کے سامنے وعظ ونصیحت کر کے امن وآشتی قائم کرنے کی کوشش کی۔یہی وجہ ہے کہ رسول خدا کے فلسفۂ جہاد کو سمجھنے کے لیے ہمیں ان دونوں نواسوں کے جہاد کے طریقۂ کار کا باریک بینی سے مطالعہ کرنا پڑے گا۔بانو سید پوری نے اپنے مرثیوں میں اس اہم نکتہ پر بڑی خوبی سے سیر حاصل بحث کی ہے۔ان کا خیال ہے کہ واقعۂ کربلا کی تفہیم سے پہلے ہمیں صلح حسن کے فلسفہ کو سمجھنا ہوگا۔اسی لیے انھوں نے صلح، جہاد اور دہشت گردی کے فرق کو نمایاں کیا ہے۔تنویر سخن جلد چہارم کے باب دوم کے تیسرے مرثیہ ع

کس قدر صلح کی تصویر حسیں ہوتی ہے

میں بانو سید پوری نے فلسفۂ صلح کی گہرائی وگیرائی، فلسفۂ جہاد اور اس کا امتیاز اور دہشت گردی کی سطحیت کو بڑے موثر پیرایہ میں نظم کیا ہے۔متذکرہ مرثیہ میں صلح کی تجسیم بانو کی لفظیات میں ملاحظہ فرمائیں:

کس قدر صلح کی تصویر حسیں ہوتی ہے — صلح تہذیب کی اک شرح مبیں ہوتی ہے
جادۂ فکر پہ تدبیر یقیں ہوتی ہے — صلح انساں کی شرافت کی امیں ہوتی ہے
کشمکش ختم نہیں ہوتی ہے شمشیروں سے
بات بنتی ہے تو بس صلح کی تدبیروں سے

صلح تدبیر کو تقدیر بنادیتی ہے صلح تخریب کو تعمیر بنادیتی ہے
لبِ خاموش کو تقریر بنادیتی ہے صلح بگڑی ہوئی تصویر بنادیتی ہے
صلح سے فہم کے چہرے پہ نکھار آتا ہے
صلح سے خود کو پرکھنے کا وقار آتا ہے

صلح ایک ایسا اسلحہ ہے جو جہاد کے دیرپا اثرات کی تفہیم کرتا ہے۔ صلح کی گہرائی اور جہاد کی گیرائی کو بھی باقرؔ نے بڑے سلیقے سے نظم کیا ہے، ساتھ ہی مجاہد کی صفت سے بھی اپنے قاری کو متعارف کراتے ہوئے موجودہ دور کے خود ساختہ مجاہدین سے بھی اپنے قاری کو روبرو کراتی ہیں:

صلح ہے راہبر جادۂ تعمیر جہاد صلح ہے شانہ کش زلف گرہ گیر جہاد
دیکھئے صلح کے آئینہ میں تصویرجہاد اور کچھ صلح سے ہوجاتی ہے تاثیرجہاد
صلح میں قوتِ شمشیر قلم بنتی ہے
صلح کی راہ میں تقدیر امم بنتی ہے

دشمن صلح بدل دیتے ہیں تعبیر جہاد امن کی بات کو کردیتے ہیں تقریر جہاد
معنیِ قتل سے بس کرتے ہیں تفسیرجہاد دوستوں اس سے بگڑجاتی ہے تصویرجہاد
آگ اور خون اگلتی ہوئی تلوار ہے جو
بس مجاہد ہے وہی دہر میں خونخوار ہے جو

بس مجاہد ہے وہی غیظ میں ڈوبا جو رہے نام لے حق کا حقائق سے پر اندھا جو رہے
بس مجاہد ہے وہی جو سراپاجور ہے آگ ہی آگ اگلتا ہوا شعلہ جو رہے
آشیاں پھونکے کبھی جوش میں گلشن پھونکے
برق بن بن کے گرے امن کے خرمن پھونکے

یوں مجاہد کی وہ تفسیر جو اپنے دل سے دین فطرت کو نہ راس آئیں گے ایسے جذبے
کم سے کم صلح کا مفہوم سمجھ لے پہلے تیری اس بات پہ غافل یہی کہنا ہے مجھے
دین فطرت کا سر انجام بدلنا ہوگا
تجھ کو اسلام کا خود نام بدلنا ہوگا

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ باقرؔ سید پوری نے اپنے مجموعۂ مراثی کے پہلے باب کا عنوان ''کربلا اقدام سے انجام تک'' رکھا ہے۔ جس میں پہلا مرثیہ ''طلب بیعت'' کے عنوان سے ہے۔ اس مرثیے میں باقرؔ نے مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ کی امام حسین علیہ السلام سے بیعت طلبی کے منظرنامے کو نظم کا روپ دیا ہے۔ باقرؔ نے امام حسین علیہ السلام کا ولید بن عتبہ سے یزید کے انکار بیعت کے فلسفہ کو جس انداز سے نظم کیا ہے وہ ان کی انفرادی فکر کی غماز ہے۔ انھوں نے امام حسینؑ کے نظریہ کو جس انداز سے اپنے قاری تک پہنچایا ہے وہ اس بات کا اشاریہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام یا ان کے والد گرامی نے کسی اور کی بھی بیعت نہیں کی تھی۔ بیعت طلبی کے موضوع کو انھوں نے جن تراکیب لفظی، صناعی اور

استعاراتی نظام سے مرتب کیا ہے وہ ان کے کلام کی پختگی اور شعور کی بالیدگی کا ثبوت ہیں:

بیعت طلب ستم روش اتقا سے تھا بیعت طلب فریب، رضا بالقضا سے تھا
بیعت طلب فساد، سکون بقا سے تھا بیعت طلب گمان، یقین خدا سے تھا
بیعت طلب تھا کذب صداقت شعار سے
بیعت طلب خزاں کی روش تھی بہار سے

بیعت طلب تھی رات سحر کے پیام سے بیعت طلب فریب تھا عقل تمام سے
بیعت طلب تھا کفر الٰہی نظام سے بیعت طلب تھا جہل کا پیکر امام سے
بیعت نہیں نظام رسولاں کی موت تھی
بیعت نہیں حکومت یزداں کی موت تھی

باتوسید پوری نے درج بالا بند میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مدینہ میں امام حسین علیہ السلام کے سامنے جو بیعت طلبی کی آواز بلند ہوئی تھی وہ اس لیے تھی کہ نظام نبوت ورسالت کوختم کر دیا جائے اور رسول کے ذریعہ مکہ میں جولا الٰہ الا اللہ کی صدا بلند کی گئی تھی اور گلدستۂ اذان پر اس الٰہی حکومت کا اعلان آج بھی موذن کرتا رہتا ہے اسے خاموش کر دیا جائے۔ یزید کفر ونفاق کا نمائندہ بن کر امام حسینؑ سے مطالبۂ بیعت کرتا ہے لیکن امام حسینؑ نے اپنے انکار سے سفیانیت کی وہ منافقانہ نقاب نوچ کر پھینک دی اور الٰہی آواز بن کر کربلا کے میدان میں آ گئے۔ اس منظر نامہ کو شعری پیکر عطا کرتے ہوئے باتوسید پوری نے منظر اور پس منظر دونوں کی خوبصورت عکاسی کی ہے:

آواز یعنی کفر سے پیکاں کریں حسینؑ شر کی فضا میں نذر دل وجاں کریں حسینؑ
آواز یعنی دین کو قرباں کریں حسینؑ پیدا زوال شرع کے عنواں کریں حسینؑ
ٹکرا یا زعم کفر کا دیں کے شباب سے
ظلمت بڑھی کہ چھین لے نور آفتاب سے

حق کا پیام دیکھ رہا ہے سوئے حسینؑ فطری نظام دیکھ رہا ہے سوئے حسینؑ
دین تمام دیکھ رہا ہے سوئے حسینؑ ہر خاص وعام دیکھ رہا ہے سوئے حسینؑ
اک عالم ہراس ہے طاری جہان پر
سکتہ زمین پر ہے سکوت آسماں پر

ہر حق پرست دیکھ رہا ہے سوئے حسینؑ ہر زیردست دیکھ رہا ہے سوئے حسینؑ
ہر بندوبست دیکھ رہا ہے سوئے حسینؑ عہد الست دیکھ رہا ہے سوئے حسینؑ
آدمؑ کا، عزت بنی آدمؑ کی بات کا
دستور مضطرب ہے نظام حیات کا

متذکرہ مرثیے میں بانوسید پوری نے حضرت آدمؑ سے لے کر نبیؐ آخر تک کی ان مجاہدانہ کوششوں اور دین اسلام کے سلسلے میں ان انبیاء کی مشقتوں کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ ہر نبی کی امیدوں کا مرکز امام حسینؑ کی ذات تھی، جن کے انکار پر دین اسلام کی بقا کا انحصار تھا اور آخرکار بانو کی لفظیات اس منظر نامہ کو خوبصورت نظم کا روپ دیتی ہیں جو قاری کو اس فکر و فلسفہ کی تفصیل میں معاون بنتا نظر آتا ہے۔

تقدیر دیں کی بگڑی ہوئی آخرش نبی　　انسانیت نے سانس لی امن وسکون کی
محسن کو اپنے ڈھونڈ رہی تھی کلی کلی　　شادابیوں کے گلشن حق نے صدا یہ دی
دین خدا کے تازہ گلستاں تجھے سلام
شبیر اعتبار بہاراں تجھے سلام

بانوسید پوری اپنے مرثیے میں انیس سے استفادہ کرتی نظر آتی ہیں۔ ان کے یہاں جوش ونجم کا رنگ وآہنگ جہاں انھیں مرثیے کے نئے مزاج کا راہی ثابت کرتی ہیں۔ روایت مرثیہ کی اقدار سے متصف محسوس ہوتی ہیں۔ جدید وقدیم کا یہی اختصاص انھیں جدید مرثیہ کی ایک معتبر شاعرہ بھی ثابت کرتے ہیں۔ میری لفظیات کی تطبیق کرنے کے لیے بانو کے درج ذیل بند ملاحظہ فرمائیں:

تیرے کرم نے درد کو درماں عطا کیے　　افکار کو ظہور کے عنواں عطا کیے
تونے وقار زیست کے ساماں عطا کیے　　تونے نئے مزاج کے انساں عطا کیے
آغاز کوجلالت انجام تونے دی
مظلومیت کو قوت اقدار تو نے دی

بانو کی نگاہ میں مظلومیت کی طاقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے اور اسی مظلومیت کے سبب سیدالشہداء امام حسین علیہ السلام فاتح اعظم ہیں۔ اس پس منظر میں امام حسینؑ کا تعارف بانو کی لفظیات میں ملاحظہ فرمائیں اور حسن نظم کی داد دیں:

تیری نظر کا فیض بصیرت کی ہے سند　　بس تیری رہبری کے اشارے ہیں مستند
جو کچھ ازل میں پایا رہے گا وہ تاابد　　تیری حد کمال ، کمال بشر کی حد
تونے بدل دیا ہے خزاں کو بہار سے
کونین معتبر ہیں ترے اعتبار سے

اے وارث زمین وزماں جان بوتراب　　پلٹایا ڈوبتا ہوا ایماں کا آفتاب
ہے تیری ذات دہر میں شہکار انتخاب　　بدلی روش نہ تیری ہزار آئے انقلاب
ایسے ہیں نقش پا ترے راہ ثبات میں
سجدے تڑپ رہے ہیں جبین حیات میں

اے فاطمہؑ جلال طہارت کی آبرو　　اے مرتضیٰؑ کمال، شجاعت کی آبرو

اے مصطفیٰؐ مثال ہدایت کی آبرو　　اے امر ذوالجلال مشیت کی آبرو
وابستۂ قدم ہیں طہارت کی منزلیں
احسان مانتی ہیں نبوت کی منزلیں

باتوؔ کا کمال فن یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے منظومات کے ذریعے بڑے بڑے وقوعے کو اس سلیقہ سے پیش کرتی ہیں کہ اصل موضوع تک قاری کا ذہن پہنچ جائے اور اس بصیرت آگیں مرحلے سے ان کا قاری آسانی سے گزر جائے۔ منظر نامہ ۲۸ ؍رجب ۶۰ ھ کی رات کا ہے لیکن شاعرہ کا تخیلاتی تصور اسے معراج جیسے اہم واقعہ تک لے جاتا ہے، جس کی قرآن کریم تصدیق کرتا ہے اور اس عبد و معبود کی گفتگو میں واقعۂ کربلا کا ذکر کرتے ہوئے شاعرہ نے اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شب معراج میں اس رات کا نقشہ رسولؐ کے سامنے تھا جس کا منظر نامہ ۲۷ ؍رجب ۶۰ ھ کو تاریخ نے لکھا۔ باتوؔ نے اس منظر نامہ کو خوبصورت نظم کا پیکر عطا کیا ہے جس میں چھوٹے چھوٹے وقوعے کے ذریعہ شاعرہ نے مرثیہ کو مزید متحرک اور پرکشش بنا دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

اک رات پہلے عرش پہ پہنچی نبیؐ کی ذات　　تیرے سفر کی بات بھی معراج کی ہے بات
تو ارتقا کی راہ میں تقدیر ممکنات　　عہد آفریں ہے کتنی یہ تیری رجب کی رات
معراج مصطفیٰؐ کا بھی جلوہ لیے ہوئے
تعمیر کربلا کا بھی نقشہ لیے ہوئے

حق سے سوال بیعت ظلم وجفا کی رات　　دین ویقیں پہ حملۂ مکرودغا کی رات
گھر میں وطن میں فتنۂ صبر آزما کی رات　　پہلے پہل مدینہ میں وہ کربلا کی رات
عاشور کی سحر کا جو پیغام بن گئی
آگے بڑھی تو کوفہ بنی شام بن گئی

وہ رات جس کے حسن کی تنویر کربلا　　وہ رات جس کے درد کی تاثیر کربلا
وہ رات جس کے خواب کی تعبیر کربلا　　وہ رات جس کے عزم کی تصویر کربلا
جس کا جواب کرب وبلا وہ سوال رات
تاریخ کائنات کی وہ بے مثال رات

وہ رات جس میں بادۂ عرفاں کی آگہی　　وہ رات جس میں عزم شہیداں کی روشنی
وہ رات جس میں شام غریباں کی تیرگی　　وہ رات جو ہے ماہ درخشاں کی زندگی
طے جس میں موت وزیست کا ہر مرحلہ ہوا
وہ رات جس میں فیصلۂ کربلا ہوا

وہ رات جس میں صبر کے منظر ہیں دیدنی وہ رات جس میں عزم کے جوہر ہیں دیدنی
وہ رات جس میں ضبط کے تیور ہیں دیدنی وہ رات جس میں شکر کے پیکر ہیں دیدنی
زنجیر وطوق و نیزہ و خنجر نظر میں ہیں
کیا طرفہ انقلاب کے منظر نظر میں ہیں

بانوسید پوری نے ۲۷؍رجب ۶۰ھ کی رات کے پس منظر میں واقعۂ کربلا کے پورے واقعے کو دیگر منظر ناموں کے ذریعہ مزید موثر بنا دیا ہے۔ ۲۷؍رجب بعثت پیغمبر کی رات ہے اور اس بعثت کے ساتھ ساتھ ہجرت جیسی عظیم رات کا تذکرہ بھی مرثیہ میں مزید وسعت و ہمہ گیری کو واضح کرتا ہے اور ان راتوں کے پس منظر میں شاعرہ نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ ان کی وسعت نظر کا اعلامیہ ہے۔ شاعر نے رات کو مختلف زاویوں سے بیان کر کے اپنے قاری کی رات کو جمالیات سے متعارف کرایا ہے اس لیے کہ شب معراج جمال محمدؐ، جمال خداوندی سے روبرو ہے وہیں ہجرت کی جمالیات فداکاری اور ایثار کا بہتری نمونہ ہے، جس میں رسولؐ کی جان مولائے کائنات کے سونے پر بچ پائی۔ اسی طرح اسلام کی تقدیر اس رات میں امام حسینؑ کے فیصلے پر موقوف ہے اور اس فیصلے نے اسلامی دنیا کی سوئی ہوئی تقدیر کو انقلاب سے ہم کنار کر دیا۔

کیا انقلاب لائے ہیں حالات میں حسینؑ حق کو رچا کے فکر وخیالات میں حسینؑ
امکاں کی حد دکھا کے محالات میں حسینؑ اٹھے وہ عہد باندھ کے اس رات میں حسینؑ
جس عزم بے مثال کا دفتر ہے کربلا
جس عہد لازوال کا منظر ہے کربلا

بیعت کرے یزید کی اور خاصۂ خدا یہ ذلت حیات، شرافت سہے گی کیا
آساں بہت ہے خنجر و شہرگ کا مرحلہ منصوبۂ جہاد سر افراز کربلا
محفوظ کر کے دین کا منصب حسینؑ نے
اس رات میں کیا ہے مرتب حسینؑ نے

اس رات کے منظر نامے میں بانوسید پوری نے آلِ مرثیہ کا بھی خیال رکھا ہے۔ مدینہ سے ہجرت کرتے ہوئے امام حسینؑ کا نانا رسولؐ خدا، مادر گرامی فاطمہؑ زہرا اور سبط رسولؐ جناب امام حسنؑ سے وداع کا منظر نامہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بانو کو بین نظم کرنے میں ملکہ حاصل ہے۔ ماں اور بیٹے کا مکالمہ اور اس درد انگیز مکالمے میں حسینؑ کی ماں جائی زینب سلام اللہ علیہا کے بین نے منظر نامہ کو مزید غم انگیز بنا دیا ہے۔ مرثیہ میں ماں کا اپنے لخت جگر سے تخاطب ملاحظہ فرمائیں:

تو اور مسافرت کے وہ آلام ہائے ہائے یہ غم کی صبح، درد کی یہ شام ہائے ہائے
یہ آفتیں یہ رنج بہ ہر گام ہائے ہائے یہ ظلم تجھ پہ میرے خوش انجام ہائے ہائے
عالم وہ ہے کہ جیسے چھری لب پہ چلتی ہے
ماں تیری ہمرہی میں لحد سے نکلتی ہے

ماں اور بیٹے کا یہ مکالمہ جہاں خوبصورت بین کی عکاسی کرتے ہیں وہیں مرثیہ کی لفظیات، تراکیب اور حسن ترتیب واقعہ اسے شاعری کی جمالیات کا مرقع بنا دیتا ہے۔غم والم کی اس جمالیات کو بانو نے جس سلیقے سے نظم کیا ہے وہ اس بات کا اشاریہ ہے کہ مرثیہ کی جمالیات اردو کی دوسری اصناف کے مقابل زیادہ پُرکشش اور خوبصورت ہے۔ جمالیات کا مرقع درج ذیل بند ملاحظہ فرمائیں:

وہ سائیں سائیں کرتی ہوئی رات الاماں　　شدت وہ درد وغم کی دوعالم کے درمیاں
وہ ڈوبتا لرزتا ہوا قلب ناتواں　　راز ونیاز کے وہ سخن، غم کی داستاں
گویا زبان حال سے نوحے یہ ہوتے تھے
ماں کی لحد سے لپٹے ہوئے شاہ روتے تھے

اس منظر نامہ میں بھائی اور بہن کی نفسیاتی کیفیت کو بانو نے جس سلیقے سے نظم کیا ہے وہ مرثیہ کی جمالیات کے نفسیاتی پہلو کا بہترین نمونہ ہے:

ہر سانس میں ہے شدت احساس کی جلن　　نظروں میں ہے کھلا ہوا یادوں کا اک چمن
وہ شفقتوں کی پیار کی تصویر خندہ زن　　یاد آرہے ہیں لطف وعنایت کے ہر سخن
دل میں وہ درد اٹھا ہے کہ جاں پر بن آئی ہے
چھٹتا ہے یہ مزار کہ ماں سے جدائی ہے

اتنے میں آئی زینبؑ مضطر بصد بکا　　بیساختہ زباں پہ تھی یہ درد کی صدا
اماں خبر لو لٹتی ہوں میں غم کی مبتلا　　ملتی نہیں ہے بھائی کو میرے اماں کی جا
گھر لٹ رہا ہے کوچ کی ساعت قریب ہے
اماں بس اب اٹھو کہ قیامت قریب ہے

فریاد پر بہن کے ہیں کس کشمکش میں شاہ　　ہر سانس ایک ٹوٹے ہوئے دل کی ہے کراہ
زینبؑ پہ گاہ ماں کی لحد پر کبھی نگاہ　　ہمشیر سے سخن ہیں یہ باحالت تباہ
صدقے حسینؑ تجھ پہ ہو اے جان فاطمہؑ
قائم ہے تجھ سے منزلت و شان فاطمہؑ

یہاں پر شاعرہ نے بہن اور بھائی کی گفتگو میں جناب زینبؑ کے کردار کی عظمت کو امام حسینؑ کی زبانی پیش کر کے مرثیہ کو مزید باوقار بنا دیا ہے۔ساتھ ہی جناب زینبؑ کو امام حسینؑ کی معرکۂ کربلا میں سب سے بڑی ضرورت قرار دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جہاں بھائی فاتح کرب وبلا ہے تو بہن فاتح کوفہ وشام بن گئی:

زینب ترا جلال ہے عظمت حسینؑ کی　　زینبؑ ہے تیرے ضبط میں جرأت حسینؑ کی
تیرا سکون قلب ہے قوت حسینؑ کی　　تیرا خلوص وشکر ہے سیرت حسینؑ کی
تیری ہر اک نظر ترا انداز کربلا
تیرے عمل سے ہوگی سرافراز کربلا

لیکن جناب زینبؑ فاتح کوفۂ وشام بننے سے پہلے امام حسینؑ کی زبانی شاعرہ نے جو تصوراتی کائنات مرتب کی ہے وہ اس بات کا اشارہ یہ ہے کہ امام حسینؑ کا اپنی ماں جائی کے تعلق سے کیا خیال ہے شاعرہ نے امام حسینؑ کے ذریعہ یہ کہلوایا ہے کہ میری ہمشیرہ تو ثانی زہرا ہے۔ تو میری والدۂ گرامی کی سیرت کا آئینہ ہے اس لبیکر بلا کی اس رزم گاہ میں تجھے حوصلۂ سیدہ کی ضرورت ہے۔ اس منظرنامہ کی جمالیات سے مملو درج ذیل بند جہاں شعریات رثا کا بہترین نمونہ ہے وہیں جناب سیدہ کے اس مشن کا بھی غماز ہے جو انھوں نے ولایت مولائے کائنات کے لیے پہلی خلافت میں اپنے صبر وشجاعت کا مظاہرہ کر کے پیش کیا تھا:

مادر سے صبروشکر کی دولت بھی مانگ لے — بلوے میں دے جو کام وہ قوت بھی مانگ لے
ہر اک قدم پہ ضبط کی ہمت بھی مانگ لے — سر میرا کٹتے دیکھ یہ جرأت بھی مانگ لے
محفوظ تجھ سے ہوگا مفاد حسینیت
کرنا ہے سر تجھی کو جہاد حسینیت

بانوسید پوری نے اپنے مرثیہ ''قیام مکہ'' میں رسولؐ خدا کی مکی زندگی اور اسلام کے پیغام کی تبلیغ کا خوبصورت محاکمہ کیا ہے۔ دور رسولؐ کی عکاسی کرتی ہوئی بانو نے جس انداز سے رسولؐ کی سیرت وکردار کو پیش کیا ہے، وہ لائق توجہ ہے۔ مدینہ سے ہجرت کے بعد امام حسینؑ کا قیام مکہ میں ہے۔ جسے رسولؐ نے اللہ کے حکم سے جائے امن قرار دیا ہے۔ لیکن بنی امیہ کے پیدا کردہ حالات کے سبب امام حسینؑ کی نظروں کے سامنے وہ مناظر آجاتے ہیں جب اللہ کے رسولؐ نے مصائب وآلام کر برداشت کرتے ہوئے دین اسلام کا پیغام عام کیا۔ اس منظرنامے میں جہاں بانو نے سیرت رسولؐ کے آئینہ میں پیغام اسلام کو قاری تک پہنچانے کی کوشش کی ہے اور بانو کی یہ کوشش مرثیہ کی انفرادی اہمیت کو مزید واضح کرتے ہیں:

مردان حق کو کھیل ہے اہل ستم کا دور — راہ رضا میں لذت زخم جگر ہے اور
تبلیغ حق میں صبروتحمل کے کیا ہیں طور — کس طرح شکر کرتے ہیں سہہ کر جفا وجور
مظلومیت کی قدرت تسخیر پیش کی
مکہ نے مصطفیؐ کی وہ تصویر پیش کی

حضرت محمد مصطفی کی جو تصویر بانوسید پوری نے پیش کی ہے وہ انھیں مرثیہ کے ساتھ ساتھ نعت کا بھی معتبر شاعرہ ثابت کرتی ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں اور ان کے حسنِ نظم کی داد دیں:

چشم تصورات میں ہر سو رواں دواں — پہنائی فضا میں گرجتے ہوئے بیاں
ماحول تند وسخت میں وہ نرمئ بیاں — راہ ثبات و عزم پہ پیروں کے وہ نشاں
قامت جو ارتقا کا ہے اس قد کا آئینہ
مکہ کی ہر روش تھی محمدؐ کا آئینہ

وہ سیرت رسولؐ کے آثار جابجا ہر سانس میں شمیم رسالت لیے ہوا
پیغمبری جمال میں ڈوبی ہوئی فضا گونجی ہوئی شعار محمدؐ کی وہ صدا
اقدام حق کو تیر نہ تلوار چاہیے
بس اک علوے سیرت وکردار چاہیے

وہ ظلم بے دریغ کا پھیلا ہوا نظام وہ آگ آگ صبح تو وہ خون خون شام
وہ صبر وہ سکون وہ نانا کا اہتمام یعنی ادائے خاص لیے وہ عطائے عام
وہ دور مصطفیؐ کا جو نظروں میں پھر گیا
باطل کا سارا زور نگاہوں میں پھر گیا

سیرت رسولؐ کا جو منظر نامہ متذکرہ مرثیہ میں دکھائی دیتا ہے وہ شاعرہ کی جستجو کا نتیجہ ہے۔اس جستجو میں اس ماحول کی عکاسی بھی نظر آتی ہے جو مسلمانوں کو یزید جیسے ظالم وجابر حکمراں کا مطیع وفرماں بردار بنا دیتی ہے۔اس ماحول کے عکاس درج ذیل بند ملاحظہ فرمائیں:

حق کا ہے نام ظلم وضلالت کا ہے وفور کلمہ نبیؐ کا لب پہ نبیؐ کے چلن سے دور
پھیلا ہوا ہے چاروں طرف دام مکرو زور زخمی پڑا ہوا ہے مساوات کا شعور
چلتی ہے بات صرف ظلوم وجہول کی
پامال ہورہی ہے ریاضت رسولؐ کی

آزاد تھے جو ذہن ہوئے قیدیِ ہوس صدہا خلاف حق ہیں تو حق والے پانچ دس
شاہین فکروہوش کی منزل بنا قفس سب اٹھ گیا دلوں پہ جو تھا حق کا دسترس
خوف مآل فکر نہ روز وعید کی
مضبوط ہے گرفت یہاں تک یزید کی

مکہ میں قیام کے دوران مسلمانوں کے حالات کو مشاہدہ کرتے ہوئے امام حسینؑ نے حسینی انقلاب کا پرچم بلند کرنا ضروری سمجھا، اس پورے ماحول کی عکاسی کرتے ہوئے بانوؔ یہ بند حسینی انقلاب کے ترجمان نظر آتے ہیں:

راہ نفاق سے وہ نکلتی ہوئی روش جادے پہ بولہب کے وہ چلتی ہوئی روش
سفیانیت کے رنگ بدلتی ہوئی روش نفسانیت کی آگ اگلتی ہوئی روش
دیکھی بغور جان رسالت مآب نے
کروٹ لی دل میں ولولۂ انقلاب نے

وہ انقلاب جس کی روش نظم اتقا وہ انقلاب جس کا ثمر حق کا مدعا

وہ انقلاب جس کی روش دین کی بقا وہ انقلاب جس کو کہیں مرضیِ خدا
ذوق عمل یقیں کی جسے انتہا کہے
وہ انقلاب خلق جسے کربلا کہے
وہ انقلاب عزم امامت کہیں جسے وہ انقلاب فیض رسالت کہیں جسے
وہ انقلاب فتح نبوت کہیں جسے وہ انقلاب امر مشیت کہیں جسے
جوہر سوال زیست کا تنہا جواب ہو
دور جہاں میں خاتم ہر انقلاب ہو

حسینی انقلاب کی کامیابی میں حضرت ابوطالبؑ کے خون کا سب سے اہم رول رہا ہے۔ اولادِ ابوطالب میں حسینی انقلاب کے مقدمہ کے طور پر حضرت مسلم ابن عقیل کا کردار سب سے پہلے سامنے آتا ہے۔ مسلم بن عقیل حضرت امام حسینؑ کے معتمد کے طور پر کوفہ کے اس پر آشوب ماحول میں حسینی انقلاب کے مقدمۃ الجیش کا رول ادا کرتے ہیں۔ باقر سید پوری نے اپنے مرثیہ، مسلم ابن عقیل میں اس کردار کی عظمت کا بیان کیا ہے۔ اس باعظمت کردار نے جس طرح حسینی انقلاب کو اپنے اقدام سے واضح کیا ہے وہ امام حسینؑ کے بنی امیہ کی نفاق زدہ تصویر کو واضح کرتا ہے۔ بنی امیہ کا مکروفریب جس کا نمائندہ ابن مرجانہ عبیداللہ بن زیاد تھا اس کی ذات کو کوفہ میں بے نقاب کرتے ہوئے مسلم بن عقیل کی سیرت کو نظم کا جو روپ باقر سید پوری نے دیا ہے وہ حضرت عقیل کے خلاف بنی امیہ کے جھوٹے پروپیگنڈے کی نقاب کشائی کرتا ہے:

پھولا تھا کربلا میں شہادت کا جو چمن نشوونما میں اس کی ہے تیرا بھی بانکپن
عرفان حق میں وہ ترے اخلاص کا پھبن خود اعتمادیوں میں بزرگوں کا وہ چلن
ماحول مضطرب میں غضب کا سکون تھا
تیری رگوں میں بھی ابوطالبؑ کا خون تھا
وہ سازش نفاق کا اک دور پُردغا لب اہل حق کے بند دہن کذب کا کھلا
اپنی زبان، اپنا بیاں، اپنا مدعا تمیز خیروشر کی کسے فکر تھی بھلا
نشر فریب ومکر بنا ہر دلیل کی
مجروح کی تھی ظلم نے سیرت عقیل کی
اہل نفاق کا یہ مسلسل رہا شعار ہو دامن شرف ابوطالبؑ کا داغدار
گاہے خود ان پہ وار ہے گاہے پسر پہ وار لازم یہ ہے کہ اہل نظر اہلِ اعتبار
الجھن بلا سبب نہ کسی قال وقیل میں
دیکھیں ذرا عقیل کو نسل عقیل میں

وہ نسل جس میں عزم کے جوہر عمل کی شاں وہ نسل جس کی موت حیات ابد نشاں
وہ نسل جو ہے حامل ایثار کامراں مسلم ہیں جس کی سرخیِ معیار داستاں
وہ نسل جس نے اصل کا جوہر دکھادیا
اپنے کو جس نے کرب وبلامیں مٹادیا

بانوسید پوری نے جس انداز سے حضرت مسلم بن عقیل کا تعارف پیش کیا ہے وہ ان کا انفرادی انداز نہ صرف یہ کہ حضرت مسلم بن عقیل کا تعارف ہے بلکہ امام حسینؑ کے فلسفہ جہاد کی ترجمانی بھی نظر آتی ہے۔

اے اعتبارِ مسلک دیں پیکر یقیں اے عظمت و جلالت شبیرؑ کے امیں
زلفیں عروس کرب وبلا کی سنوار دیں وہ ذمہ داریاں تری کتنی عظیم تھیں
الجھن ہو کچھ تو شان ہدایت پہ حرف آئے
بہکے ذرا قدم تو امامت پہ حرف آئے

یہ عزم حق وہ جرأت کردار مرحبا حسن عمل خلوص یقیں جرأت وفا
ہر سانس ہے حسینؑ کے مقصد کا آئینہ کوفے میں ہورہا ہے یہ آغاز کربلا
عنوان کربلائے شہِ مشرقین ہے
اس کربلا کے کوفہ کا بس تو حسینؑ ہے

دیکھے تو کوئی ذوق تولا کا ولولہ ہے یادگار یکتا وتنہا کا ولولہ
حق کے دھنی کا دین کے شیدا کا ولولہ شبیرؑ کے ہراول یکتا کا ولولہ
بے چارگی میں خود پہ بڑا اعتماد تھا
گویا نفس نفس میں حسینی جہاد تھا

بنی امیہ کی یادگار یزید نے امام حسینؑ کے لیے مکہ میں قیام کو مشکل تر بنادیا اور جب تمام دنیا کے مسلمان مکہ آرہے ہیں امام حسینؑ نے مکہ کو چھوڑا اس لیے کہ رسول سے لے کر امام حسنؑ تک کے شہادت کے مرحلوں کو بنی امیہ نے اپنے مکروفریب سے مسلمانوں سے اوجھل رکھا اور اصل قاتل پردے کے پیچھے رہتے ہوئے مسلمانوں کے رہنما بنے رہے اس لیے عین عرفہ کے دن امام حسینؑ نے مکہ سے عراق کی طرف قدم کو بڑھایا اور مسلم بن عقیل نے اس انقلابی قدم کے مقدمہ کے طور پر اپنی ذمہ داری کو بخوبی نبھایا۔ اس منظرنامہ کو بانو سید پوری نے بڑے سلیقہ سے نظم کرتے ہوئے ان اسباب کی نشاندہی کی ہے جن کے سبب امام حسینؑ کو مکہ چھوڑنا پڑا۔ شاعرہ نے یہاں پر مکالماتی انداز اختیار کرتے ہوئے اس مرحلے کو بڑے سلیقہ سے سر کیا ہے:

ذہن وضمیر و ظرف مسلماں سے ہے سوال تہذیب دیں طہارت قرآن سے ہے سوال
سوزِعمل صداقت عرفاں سے ہے سوال ہوش یقیں حرارت ایماں سے ہے سوال
کیا چیز دیکھی قلب رسالت کے چین نے
یہ جبر ترک حج کا سہا کیوں حسینؑ نے
اس ترک حج سے تابہ حدارضِ کربلا ہے سازش نفاق کا اک دور پُردغا
کیا سر کیا ہے سبط نبیؐ نے یہ معرکہ قبل وقوع قتل ہی عالم پہ کھل گیا
کیوں اہل شر کو فکر نہیں کوئی ڈر نہیں
پھر کون ہے یزید پس پشت گر نہیں
اے بے خبر مدینۂ خیرالوریٰ کو دیکھ سبط رسولؐ کوحرم کبریا کو دیکھ
اسباب قتل کے لیے کیوں کربلا کو دیکھ اس انتہا سے قبل ذرا ابتدا کو دیکھ
یہ ترکِ حج یہ ترکِ وطن بے سبب نہیں
قاتل چھپالے خود کو یہ امکان اب نہیں

امام حسینؑ کا ترک حج پر شاعرہ کا مسلمانوں سے سوال اور شاعرہ کا جواب قارئین نے ملاحظہ کیا۔لیکن اس مرحلے پر شاعرہ نے مسلم بن عقیل کے کردار اور حالات کوفہ کی عکاسی کرتے ہوئے فلسفیانہ انداز بھی اختیار کیا ہے۔کربلا کی جنگ دراصل موت وحیات کے فلسفہ کی بہترین تعبیر ہے۔اگر کربلا کا معرکہ نہ ہوتا تو قرآن کی آیت ''الذی خلق الموت والحیات'' کی تفہیم مشکل ہوتی۔امام عالی مقام کی شہادت نے بتایا کہ عزت کی موت کو گلے لگا کر ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی حاصل کی جاتی ہے بلکہ اس قربانی سے یہ بات بھی ثابت ہوا کہ اس قربانی کا تذکرہ بھی زندگی عطا کر دیتا ہے۔اس منزل پر بھی بانوسید پوری نے فنکاری کا ثبوت دیتے ہوئے چھوٹے چھوٹے وقوعے کے ایسے مرقعے پیش کیے ہیں جو موت کی جمالیات کا مظہر بن کر سامنے آتے ہیں۔اس موت وحیات کے آئینہ میں جمال حیات ابدی کا نظارہ کراتے بانوسید پوری کے درج ذیل بند ملاحظہ فرمائیں اور حسن نظم کی داد دیں:

موضوع گفتگو میں کچھ ایسے ہی تذکرے الفاظ ہیں کہ سیرت محکم کے آئینے
آکر ابھی زبالہ پہ شبیرؑ تھے رکے مسلم کے قتل کی خبر ہولناک نے
صبرویقیں کا اور ہی عالم سجادیا
طالب ہیں کیسی موت کے سب کو دکھادیا
جو راہ حق میں حق کی شہادت رہے وہ موت جو ضامن حیات صداقت رہے وہ موت
جو ناظم حدود شریعت رہے وہ موت جو عمر جاوداں کی ضمانت رہے وہ موت

وہ موت جو حیات کا معیار بن کے ہو
یعنی کبھی سپر کبھی تلوار بن کے ہو
ہرگام ایسی موت کا دیتے ہوئے پیام　　بڑھتے ہی جاتے ہیں سوئے کرب ولا امام
وہ خواب حق وہ خواب کی تعبیر حق نظام　　وہ تبصرہ وہ اکبر دلگیر کا کلام
ہم جائیں سوئے موت کہ خود ہم پہ آئے موت
کیوں اہل حق کو فکر ہو کوئی برائے موت
فرمایا شہ نے بیٹے کی جس دم سنی یہ بات　　تجھ کو جزائے خیر دے حق اے نکو صفات
عرفان حق سے ملتا ہے قدموں کوخود ثبات　　کیا این وآں کی فکر جو ہیں عارف حیات
ہاں ہیں یہی صفات محمدؐ کی آل کے
قرباں میں اس کلام کے اور اس خیال کے

اسی طرح بانو سید پوری نے مختلف وقوعے کے ذریعہ مقصد شہادت امام کی وضاحت کی ہے۔ درج بالا بند میں حضرت علیؑ اکبر اور امام حسینؑ کی گفتگو سے موت وحیات کی تفہیم سے انقلاب حسینی کا منشور پیش کیا ہے، وہیں حضرت قاسم اور جناب زہیر قین کے واقعہ کے ذریعہ اس فلسفہ کی تفہیم کو مزید آسان بنادیا ہے۔ جناب زہیر کو امام حسینؑ کا پیغام اور اس پیغام سے زہیر اور ان کی زوجہ کی گفتگو نے موت کی جمالیاتی حقیقت کو مزید نکھار دیا ہے۔ یہاں پر بانو نے زن وشو کی گفتگو کو اپنے نسائی تجربہ کی بنیاد پر جمالیات شعری کا خوبصورت نمونہ بنادیا ہے۔

تھا موت کی خبر سے توچہرہ پہ طرفہ نور　　جو سانس تھی وہ حسن عقیدت کا تھا ظہور
بے فکر کرب سے خلش این وآں سے دور　　زوجہ کو دل کی بات بتائی بصد سرور
وہ موت کی خبر تھی کہ پیغام زندگی
ہوتے ہیں ایسے واقف انجام زندگی
اس موت کے سرور پہ زوجہ نے داد دی　　کس اعتماد خاص سے تعظیم کو اٹھی
کیا ولولہ تھا دین کا اور کیا امنگ تھی　　ہر سانس جیسے خودبخود اعلان بن گئی
دیں اس کا ہے جو تابع حکم امام ہو
تم فدیۂ حسین علیہ السلام ہو
قلب زہیر جھوم گیا سن کے یہ بیاں　　آنکھوں سے اشکہائے مسرت ہوئے رواں
یہ عزم حق یہ ذوق وفا ہمت جواں　　پیغام بیوگی کا ملے اور شادماں
چہرے پہ اضطراب کی کوئی شکن نہیں
لب پر سوائے شکر خدا کچھ سخن نہیں

توفیق حق یہ دہر میں ہے بس خدا کی دین یہ اعتماد ذات ہے خیرالوریٰ کی دین
یہ دین یہ یقین ہے مشکل کشا کی دین یہ عزم یہ عمل ہے فقط سیدہؑ کی دین
اک رحمت عظیم مگرایسی ذات ہے
فخر حیات اپنی شریک حیات ہے

حضرت زہرقین کے علاوہ حضرت حرواقعۂ کربلا کا ایک ایسا کردار ہے جس نے مسلمانوں کی اس فکر سے اپنے آپ کو الگ کیا۔جس کا نمونہ اس دور کے صحابیان رسولؐ اور تابعین رسولؐ تھے۔جس کے سبب امام حسینؑ نے یزید کے اتباع کرنے والے ان سفید پوشوں سے اپنے آپ کو الگ کیا۔امام حسینؑ کوفہ اس لیے روانہ ہوئے تھے کہ اہل کوفہ نے اپنے متواتر خطوط کے ذریعہ کوفہ آنے کی دعوت دی،اسی لیے امام حسینؑ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے کوفہ کا راستہ اختیار کیا لیکن کوفہ کے حالات بدلے اور اسی کوفہ کے ہزاروں لوگ امام حسینؑ کے قتل کے درپے ہو گئے۔عبیداللہ ابن زیاد نے امام حسینؑ کو گرفتار کرنے کے لیے حر کی سرکردگی میں ایک ہزار کا لشکر روانہ کیا۔حر اور امام حسینؑ کا سامنا ہوتا ہے اور کریم ابن کریم امام نے حر اور اس کے پورے لشکر کو سیراب کر کے انھیں زندگی دی۔حر کے اس واقعہ کو موضوع بنا کر انیس و دبیر نے بے مثال مرثیے کہے اور خصوصیت نے انیس نے ع ''بخدا فارس میدان تہور تھا حر''۔جیسا معرکۃ الآرا مرثیہ نظم کیا۔اس مرثیے کے مکالمے اردو شاعری کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔انیس کے اس پسندیدہ کردار کو دوسرے مرثیہ نگاروں نے بھی نظم کیا ہے۔باتو سید پوری نے بھی اسے نظم کیا لیکن امام حسینؑ اور حر کا مکالمہ نظم کرتے ہوئے انھوں نے جو طریقۂ کار اختیار کیا ہے اس سے امام حسینؑ کے قیام اور حر کی شخصیت کے نقوش ابھر کر سامنے آتے ہیں۔حر کے عرفان بتولؑ کا مظہر درج ذیل بند ملاحظہ فرمائیں:

واقف ہوں میں جو آپ کی ماں کے ہیں مرتبے خالق جنھیں بتولؑ کہے فاطمہؑ کہے
ان کا وقار، آتی تھیں جس وقت سامنے خود مصطفیٰؐ بھی اٹھتے تھے تعظیم کے لیے
دیں مستند نہیں اگر ان کی ولا نہ ہو
ناراض جس سے وہ ہیں خوش اس سے خدا نہ ہو

درج بالا بند میں باتو نے جن لفظیات سے اپنی شعریات کو مرتب کیا ہے وہ معنوی جمالیات کا خوبصورت نمونہ ہے۔پہلے مصرعے میں حر جناب زہراؑ کے مرتبے سے واقفیت کا اظہار کرتا ہے اور ان کے مرتبہ اور عظمت سے واقفیت دوسرے مصرعے میں باتو نے نظم کرتے ہوئے انھیں بتولؑ و فاطمہؑ بتایا۔تیسرے اور چوتھے مصرعے میں ایک وقوعے کے ذریعہ باتو نے عظمت نسواں کی نشاندہی کی ہے کہ اسلام میں عورت کی عظمت کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ سیدالمرسلین اپنی بیٹی فاطمہؑ کی کھڑے ہو کر تعظیم کرتے تھے۔بیت میں باتو نے رسول خداؐ کی حدیث سے استنباط کرتے ہوئے حضرت حر کی زبانی اس عقیدے کا اظہار کیا ہے جو اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے جسے اکثر مسلمانوں نے بھلا کر اہل بیت سے دشمنی کا راستہ اپنایا۔باتو سید پوری کا نظریہ ہے کہ حر کا کردار اہل بیت دشمن مسلمانوں کے لیے آئینہ ہے جس نے شب عاشورا اپنے فیصلہ سے حق و باطل کو آشکار کر کے بتایا کہ اولاد بتولؑ کے ساتھ جو ہے وہی حق کے ساتھ ہے اور بتولؑ اور اولاد بتولؑ کو چھوڑ کر کچھ بھی ہو سکتا ہے،حق

پر نہیں ہوسکتا۔ مرثیہ میں بانوؔ نے جگہ جگہ مختلف وقوعوں سے امام حسینؑ کے موقف کی وضاحت کی ہے۔ حر نے امام حسینؑ سے زندگی پانے کے باوجود اپنے حاکم کے حکم کے مطابق امام کو آگے بڑھنے سے روک دیا اس موقع پر بانو نے امام حسینؑ کے موقف کی وضاحت جس خوبصورت انداز میں کی ہے وہ اردو مرثیہ کا بہترین مکالمہ بن کر سامنے آتا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں اور بانوؔ کے سلیقۂ نظم کی داد دیں:

بولے شہ امم یہ تمہاری مجال ہے   پابند تم کروگے ہمیں یہ خیال ہے
آئے وہ دھمکیوں میں جو حیدرؑ کا لال ہے   یہ غیرت وقار بشر کا سوال ہے
پابندیٔ نفاق وجہالت کی زندگی
جان رسولؐ اور یہ ذلت کی زندگی

کچھ اپنے آپ ہی توہم آئے نہیں ادھر   اب تم ہو سدراہ تو حق یہ ہے مختصر
میں اب یہاں سے اور نہ آگے کروں سفر   تم کوفہ، میں وطن کی طرف جاؤں لوٹ کر
پہچان ہے یہ ذوق سعادت نشاں کی بھی
یہ راہ عدل کی بھی ہے امن واماں کی بھی

۲ محرم ۶۱ھ کو امام حسینؑ کا مختصر سا قافلہ سرزمین کربلا پر وارد ہوا۔ اس تاریخی واقعہ کو مرزا دبیر اعلیٰ اللہ مقامہ نے بڑے سلیقے سے نظم کیا ہے۔ بانوؔ نے بھی اس واقعہ کو نظم کرتے ہوئے جس نفسیاتی کیفیت کا ذکر کیا ہے وہاں کے عمیق مطالعے کا غماز ہے۔ زمین کربلا کی خصوصیات اور اس زمین سے سیدالشہداء کے تعلق کو آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

آتی ہے اس زمیں سے ہمیں اپنے پن کی بو   ذروں میں اس کے خون شہیداں سے ہے نمو
بچپن سے اس زمین کی تھی ہم کو جستجو   بھیا خدا کا شکر ہے برآئی آرزو
یہ کربلا زمین پہ ایوان خلد ہے
آرام گاہ سید شبان خلد ہے

بانوؔ نے درج بالا بند میں نفسیاتی طریقے سے واقعے کو تاریخ کی حقیقت نگاری سے مربوط کردیا ہے۔ اس تاریخی حقیقت نگاری میں بانوؔ نے کربلا کے مناظر کی جس انداز میں پیشکش کی ہے اس میں رثائیت کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ اس رثائیت کو بین سے قریب کرنے کے لیے انھوں نے کربلا کے موسم اور فضا کا سہارا لیا ہے جس کے سبب بانوؔ کے مرثیہ کے یہ بند مناظر قدرت اور مناظر فطرت کا خوبصورت نمونہ بن کر سامنے آتے ہیں:

منزل یہ کربلا کی تھی پُرحول کس قدر   جھونکے ہوائے گرم کے خنجر تھے روح پر
وہ لُو کہ الحفیظ تپش وہ کہ الحذر   زینبؑ کے لب پہ مہر خموشی رہی مگر
دل کو نہ چین تھا نہ جگر کو قرار تھا
آئی جو رات اور سوا انتشار تھا

وہ سائیں سائیں کرتی ہوئی رات او روہ بن　　محصور ظلمتوں میں وہ تاروں کی انجمن
نشتر ہو جیسے روح پہ وہ ہیبت سخن　　کرب سکون جیسے کہیں بولتا ہو رن
ہر سانس قلب زار پہ خنجر چلاتی ہے
آواز اک نشیب سے رونے کی آتی ہے

اس وحشت ناک ماحول میں جناب زینبؑ کا پشت خیمہ پرگریہ کی آواز پرمتوجہ ہونا اورامام حسینؑ سے استفسار اور جواب۔ان تمام واقعات کو بانو نے بڑی خوبصورتی سے نظم کیا ہے۔شاعرہ نے ان بندوں میں جن لفظیات،تراکیب اوراستعارات کا استعمال کیا ہے وہ مرثیہ کو رثائی کیفیت سے دوچار کرتا ہے۔اس موقع پرامام حسینؑ کی جناب زینبؑ سے گفتگو کے درمیان جونفسیاتی کشمکش شاعرہ نے نظم کی ہے وہ ان کی مشاقی کی دلیل ہے:

بھر آیا دل حسینؑ کا زینبؑ کو دیکھ کر　　تیر غم و الم سے الٹنے لگا جگر
تھا آنسوؤں کا سیل رواں اور چشم تر　　ہمت سکوت کی ہے نہ قدرت سکوت پر
تھرارہی ہے روح اگر چپ رہیں حسینؑ
یہ بین فاطمہؑ کے ہیں کیوں کر کہیں حسینؑ

لیکن امام حسینؑ کی اس نفسیاتی کشمکش کی تجسیم شعری کرتے ہوئے بہن بھائی کی گفتگو کے درمیان آمد کربلا کے مقصد کی وضاحت بھی شاعرہ نے جس انداز سے کی وہ لائق دید ہے:

زینبؑ یہ کربلا ہے یہاں قتل ہوں گے ہم　　جھیلو گی قید ظلم کے تم اس جگہ ستم
کس سے کہیں جو روح پہ ٹوٹا ہے بارغم　　زینبؑ پھرائے جائیں گے اب دربدر حرم
تشہیر اور تیغ کا پیغام آگیا
زینبؑ وفائے عہد کا پیغام آگیا

اسی طرح بانو نے شب عاشور،صبح عاشورتاعصر عاشور،عصر کربلا اورشام غریباں جیسے موضوعات کوخوبصورت نظم کی شکل دیتے ہوئے شاعری کی جمالیات کا نمونہ بنا کر مرثیہ پیش کیا ہے۔اسی طرح کتاب کے باب دوم''زادآخرت'' میں مولائے کائنات،جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا،امام حسینؑ،امام سید سجادؑ،جناب زینبؑ سلام اللہ علیہا،جناب مختارؒ اور جناب میثم تمارؒ جیسے کرداروں کے حوالے سے مرثیے کوشامل کیا ہے جس پر تبصرہ کسی اورموقع پر کیا جائے گا۔باب سوم میں بانو نے''اپنے غم کو بھی شریک غم مولا کردوں'' کے عنوان سے چوبیس شخصی مراثی کو مجموعہ کا حصہ بنایا ہے۔اس طرح بانو نے اپنے مرثیوں میں فکروفلسفہ قیام امام حسینؑ وشہادت امام حسینؑ کے ساتھ ساتھ اہل بیت اور عاشقان اہلبیت کے مراثی کے ساتھ ساتھ شخصی مرثیہ میں طبع آزمائی کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ کربلائی مرثیوں کے ساتھ ساتھ شخصی مراثی نظم کرنے میں بھی پیچھے نہیں ہیں۔ان کے شخصی مراثی کے کردار علماءوافاضل،ادباءوشعراء کے ساتھ ساتھ ان کے اپنے عزیز واقارب بھی ہیں جو

اس بات کے غماز ہیں کہ بانو کے شخصی مراثی بھی بوقلمونی اور رنگارنگی کے نمونے ہیں۔اس طرح بانو کے مجموعۂ کلام تنویرِ سخن جو پانچ جلدوں پر محیط ہیں جس میں قصائد، مرثیے، سلام، منظومات، غزلیات، قطعات و رباعیات سب کچھ موجود ہیں جو اردو شاعری کا ایسا مرصع و مسجع کلام ہے جو یہ بتاتا ہے کہ بانو سید پوری جہاں مرثیہ کی ممتاز شاعرہ ہیں وہیں اردو کی ایک قادر الکلام شاعرہ ہیں۔

○

حواشی:

(۱) مولانا سید ابن حسن نونہروی، تقریظ، تنویرِ سخن (جلد چہارم) مجموعۂ مراثی: بانو سید پوری، سید پور سلطان پور، جون ۲۰۱۴ء، ص: ۸

(۲) ڈاکٹر شعور اعظمی (مقدمہ) تنویرِ سخن، جلد چہارم، ص: ۱۳-۱۲

آبروئے شیرازِ ہند، مضطرؔ جونپوری

ڈاکٹر سیّد کاظم مہدی (عرؔوج جونپوری)

گندمی گہرا رنگ، جو جوانی میں یقیناً کھلتا ہوا رہا ہوگا، چھریرا بدن، جو ہمیشہ سے بہترین صحت کی علامت رہا ہے، نہایت مناسب قد وقامت ،لباس کے اعتبار سے باوضع ،شیروانی ٹوپی میں ملبوس ،خوش عادات واطوار، خوش اخلاق ،خوش گفتار، سلیم وحلیم بردبار، وضعدار، منصب کے تئیں ذمہ دار، احباب پسند، اعزاہ نواز ایسی شخصیت کے مالک ہیں جناب سیّد عباس حیدر زیدی صاحب سابق پرنسپل شیعہ کالج لکھنؤ ایسی شخصیت کی حامل ذات نے نہ جانے کیوں مضطر تخلص رکھ لیا، یعنی مضطرؔ جونپوری مذہبی شعری دنیا میں شیرازِ ہند جونپور کی مضبوط نمائندگی کر رہے ہیں

مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مزاج وطبیعت میں موجود تنقید اور تنک مزاجی کے عنصر نے مضطر تخلص رکھوا دیا ہوگا، حالانکہ ان کی اسی نقد ونظر نے ان کی شاعری کو جلاء بخشی اور کبھی بے جا مطمئن نہیں ہونے دیا اسی لئے ہمیشہ اساتذۂ فن سے مشورہ کرتے رہے۔

زیرِ نظر موصوف کے تین مطبوعے ہیں ''انوارِ کساء جلد اوّل'' مجموعۂ قصائد جس میں چند قطعات ورباعیات شامل ہیں۔

دوسرا مجموعہ ''جہادِ کربلا'' ہے جس میں پانچ مراثی اور نو سلام تیرہ قصائد ومنقبت اور چند رباعیات ہیں، تیسرا مجموعہ ''انوارِ کساء'' حصۂ دوم ہے جو نعت ومنقبت پر مشتمل ایک ضخیم مجموعہ ہے اسی میں ایک حصّہ سلام ومخمس کے نام سے بھی شامل ہے۔

دنیائے اردو میں بہت سے معتبر ترین شعراء ہیں جن کے فن کا لوہا دنیا نے مانا مگر ان کا کوئی شعر مشہور نہیں ہے اور کئی ایسے شعراء بھی ہیں جن کے مشہور ایک ہی شعر نے اُنھیں بڑا شاعر منوا دیا۔ جناب مضطرؔ جونپوری کے پہلے مجموعے کے سرورق پر درج ان کا یقیناً پسندیدہ شعر۔

(۲)

سارے جلوے بس اسی کے ہیں دلِ آگاہ میں
نقطۂ با جس نے رکھّا بائے بسم اللہ میں

یقیناً ایک بہت بڑا شعر ہے کہ اسی میں توحید، ولایت، مودّت، علم ومعرفت عقیدت کا ایک ایسا سرچشمہ جاری ہے کہ جس میں غسل کر کے کوئی بھی باایمان ہوسکتا ہے۔

باظرف صاحبانِ ذوق کو چاہئے کہ اسے شہرت دے کر اس کا حق ادا کریں اور صرف یہ ایک شعر مضطرؔ جونپوری کے ایک بڑے شاعر ہونے کی دلیل ہے۔

جب کہ ان کی طبیعت میں بلا کی روانی پائی جاتی ہے جہاں عام شعراء منقبت کے چند شعر پر اکتفاء کرتے ہیں وہ مخمس کہہ دیتے ہیں۔

انھوں نے قصیدہ کی طرحی زمینوں میں کئی مخمس لکھے ہیں اور خوب لکھے ہیں۔ ان کی طبیعت کی اسی جولانی وروانی اور خاندانی وراثت نے انھیں مرثیہ خوانی اور پھر مرثیہ گوئی کی طرف راغب کیا جو یقیناً ایک مشکل فن تھا اور ہے جسے نیّرین مرثیہ نگاری حضرات انیسؔ ودبیرؔ نے ناممکن بنا دیا تھا مگر متاخرین مثلاً نسیمؔ وجمیلؔ مظہری وغیرہ جیسے شعراء نے جدّت کی راہ نکال کر ہمیں نایاب فن پارے دیئے، اسی صف میں جناب

مضطرؔ جونپوری صاحب بھی نظر آتے ہیں جنھوں نے روایت وجدّت کے امتزاج سے ایک راہ نکالی اور نایاب فن پارے اردو اور قوم کے حوالے کئے ہیں۔

آیئے چند مثالوں کے ذریعہ مضطرؔ جونپوری کے فن سے روشناس کرائیں رباعی ملاحظہ فرمائیں:

اوہام سے باطل کے نکلنا ہوگا ایماں کی گھنی چھاؤں میں پلنا ہوگا
فضّہؑ کی بلندی کو سمجھنے کے لیے قرآن کی تہذیب میں ڈھلنا ہوگا

''قرآن کی تہذیب'' کا چھوٹا سا ٹکڑا کس قدر وسیع المعنیٰ اور علم ومعرفت سے لبریز ہے اسے صاحبانِ علم و دانش خوب سمجھ سکتے ہیں اور انھیں ترکیب کا استعمال جناب مضطرؔ صاحب کے علم اور فن شاعری پر گرفت کی بہترین مثال ہے۔

نعت کا مطلع دیکھئے۔

ضوفشاں ایسا چراغِ رہ گذر کوئی نہیں اسوۂ مرسلؐ سے بہتر راہ بر کوئی نہیں

(۳)

نعت کے اس مطلع میں اسوۂ مرسلؐ کی ترکیب کا استعمال کر کے شاعر نے سامع اور قاری کے ذہن کو براہ راست قرآن کی اس آیت کی طرف موڑ دیا جو قرآن میں ایک قانون کی طرح نازل ہوا ہے۔اس سے شاعر کی مذہب شناسی تدبّرِ علمی کا پتہ چلتا ہے۔

اس مخمس میں اسلام کا تعارف کس خوبصورتی سے کرایا گیا ہے۔

اسلام زندگی کے چمن کی بہار ہے اخلاقیات کا گہرِ آبدار ہے
تزکیۂ نفوس کا یہ ذمہ دار ہے انسانیت کے حسن کا آئینہ دار ہے
دستور اس کا آلِ نبیؐ کا شعار ہے

آیئے آپ کو مرثیہ کا ایک بند دکھائیں۔لبِ فرات کا ایک منظر شاعر نظم کر رہا ہے۔

ٹکڑے کیا ستم کے نشانِ بلند کو دے دی شکست لشکرِ ایذا پسند کو
روکا فرات پر فرسِ درد مند کو پینے کا اذن دے دیا پیاسے سمند کو
تھا با وفا کو عشق جو راکب کی ذات سے
اس نے بھی منھ پھرا لیا آبِ ، فرات سے

مذکورہ بند کی معنی آفرینی دیکھئے تراکیب کا استعمال اور بندش دیکھئے مضمون کی ندرت ملاحظہ کیجئے اور شاعر کی بلند قامتی کا صدقِ دل سے اعتراف کیجئے۔

پروردگار مضطرؔ جونپوری کی خدمت کو قبول فرمائے صحت اور طول عمر عطا فرمائے مزید خدمتِ مولا کی توفیق عطا فرمائے اور صاحبانِ ذوق کے استفادے کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

ایڈیٹر کے نام خط

سعدیہ صدف

مدیرِ مکرّم، جناب اصغر مہدی اشعر

آداب!

سہ ماہی ''فروغ مرثیہ'' کا چودھواں شمارہ استاد محترم ڈاکٹر سید علی عرفان نقوی صاحب کے توسط سے موصول ہوا۔ جسے دیکھ کر یہ احساس ہوا کہ مرثیے کا سفر ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ رسالے کے تمام مشمولات عمدہ ہیں۔

اداریہ جامع ہے۔ اداریے کے بعد آٹھ ''سلام'' شامل ہیں۔ عقیدت و محبت کے جذبات سے پر آٹھوں سلام خوب ہیں۔ بالخصوص کلیم ظفر اور احمر شہوار کی تخلیقات کافی appealing ہیں۔ وفا نقوی اور پروین حیدر صاحبان کی کاوشیں بھی لائق ستائش ہیں۔

سلام کے علاوہ ۶ مضامین بھی شامل ہیں جو صنف مرثیہ کے سلسلے میں کافی معلوماتی ہیں۔ ان میں ڈاکٹر تمثال مسعود کا مضمون ''مرانیسؔ کے مرثیوں کا تجزیہ کیسے ہو'' زیادہ پسند آیا۔ اس میں مصنف نے جو نکات پیش کئے ہیں ان کی روشنی میں یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ میر انیسؔ کے مستند کلام سے اردو ادب اب تک محروم ہے۔ لہٰذا یہ مقالہ مراثیِ میر انیسؔ کو نئے سرے سے دیکھنے کی دعوت دیتا ہے۔

غیر مطبوعہ چاروں مرثیے (کربلا، اسیری، اسم اور قیامت) تخلیقی طور پر بہترین ہیں۔ شگفتہ دلشاد کا غیر مطبوعہ مرثیہ بھی اختصار و جامعیت کی اچھی مثال ہے۔

اکیسویں صدی میں جبکہ سائنسی و تکنیکی ترقیاں اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہیں، انسان مادہ پرست بن چکا ہے۔ ایسے میں اپنی روایت سے انسلاک قائم رکھنا اور اس کے فروغ میں پیش پیش رہنا بذات خود ایک اہم کارنامہ ہے۔ لہٰذا ''فروغ مرثیہ'' کے تمام منتظمین اس ضمن میں مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ پابندی اور اہتمام کے ساتھ یہ اخلاقی فریضہ ادا کر رہے ہیں۔

سعدیہ صدف

کولکاتا (بھارت)